خطبۂ حضرت زہراء ؑ کی سند پر تحقیقی نظر

علامہ آفتاب حسین جوادی*

کلیدی کلمات: علمائے حدیث و رجال، علمائے اہل سنت، علمائے شیعہ، اہل بیت اطہارؑ، حضرت ابو بکر، حضرت علیؑ، روایان حدیث

خلاصہ

خطبۂ حضرت فاطمہؑ میں اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء، نظریہ توحید، سرور کائناتؐ کا مقام و مرتبہ اور بعثت کے اغراض و مقاصد، امت اسلامیہ کی ذمہ داریاں اور نظریہ امامت و خلافت، قرآن مجید کی اہمیت اور شریعت کے احکام اور ان کا فلسفہ، اپنے شوہر نامدار کی جانفشانیوں کا تذکرہ اور اپنے حقوق کی بازیابی کے لیے وقت کے خلفا، مہاجرین وانصار اور خواتین کے سامنے احتجاج فرمایا ہے۔ تاریخ کے مختلف راویوں نے متعدد اسناد سے یہ تاریخ ساز خطبہ نقل کیا ہے اگر راویان حدیث میں سے جس کسی سے محبت اہل بیتؑ کی خوشبو آتی تو ارباب اقتدار کی جانب سے ان پر کڑی نظر رکھی جاتی تھی اور انہیں مطعون و مجروح کرنے کی ہر ممکن کوشش کی جاتی۔ مگر اس کے باوجود خانوادہ نبوتؐ کی عظمت کے متعلق احادیث اور ان سے مروی خطبے سینہ بہ سینہ چلے آتے رہے اور اس دوران جب بھی کبھی راویان حدیث کو وعظ یا تحریر کے ذریعے بیان کا موقع ملا تو انہوں نے برملا اظہار کر دیا حتی کہ مخالف طبقہ کے سنجیدہ افراد بھی ان حقائق کو بیان کیے بغیر نہ رہ سکے۔ البتہ بعض بے رحم قلمکاروں نے قلم وقرطاس کے ذریعے حضرت خاتون جنتؑ پر گذرے مصائب کو چھپانے کی حتی المقدور سعی نافرجام کی ہے، لیکن تاریخ آخر تاریخ ہوتی ہے جو امتداد زمانہ کے باوجود ہر دور میں اپنے سینے میں موجود سچائیاں منظر عام پر لاتی رہتی ہے۔ اگرچہ اس خطبہ کو مختلف مسالک کے اتنے علمائے حدیث وتاریخ نے بڑے وثوق سے درج کیا ہے کہ ان کا محتاج ہی سند ہے، لیکن اس کے باوجود اس کے راویوں پر علم رجال کی روشنی میں نظر ڈالنا مناسب ہوگا۔ لہٰذا اس مقالے میں اس خطبے کی سند پر دلائل کے ساتھ بحث کی گئی ہے۔ جس سے حضرت فاطمہؑ کا یہ خطبہ اپنی سند کے اعتبار سے تمام منصف المزاج اہل علم کے لئے قابل قبول ہے اور اس خطبے میں بنت رسول ﷺ کی زبان مبارک سے بیان ہونے والے معارف دین پوری اُمت کے لئے رشد وہدایت حاصل کرنے کا وسیلہ بن سکتے ہیں۔

یہ حقیقت نا قابل انکار تاریخی شواہد سے ثابت ہے کہ عصمت وطہارت کی مرکز و محور اور وماینطق عن الھوی سے متصف رسول ﷺ کی پروردہ حضرت فاطمۃ الزہراء نے بھرپور انداز میں مسئلہ فدک کے اصل حقائق سے مسلمانوں کو آگاہ فرمایا،آپ نے اس معرکۃ الآراء تاریخی خطبے میں اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء، نظریہ توحید، آقائے دوجہاں سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مقام و مرتبہ اور بعثت کے اغراض و مقاصد، امت اسلامیہ کی ذمہ داریاں اور نظریہ امامت وخلافت، قرآن مجید کی اہمیت وافادیت اور اس کی بالادستی، شریعت محمدیہ کے احکام اور ان کا فلسفہ، اپنے شوہر نامدار حیدر کرار کی جانفشانیوں کا تذکرہ اور اپنے حقوق کی بازیابی کے لیے وقت کے حکمران، مہاجرین وانصار اور خواتین کے سامنے احتجاج فرمایا ہے۔ تاریخ کے مختلف راویوں نے متعدد اسناد سے یہ تاریخ ساز خطبہ نقل کیا ہے اگر راویان اور حفاظ حدیث میں سے جس کسی سے محبت اہل بیتؑ کی خوشبو آتی تو ارباب اقتدار کی جانب سے ان پر کڑی نظر رکھی جاتی تھی اور انہیں مطعون و مجروح کرنے اور درجہ وثاقت سے گرانے کی ہر ممکن کوشش کو بروئے کار لایا جاتا۔ حکمرانوں کے جبر وتشدد اور ان کی ہمنوا اکثریت کے شدید رد عمل کا خوف ہر وقت ان پر طاری رہتا تھا۔ موت کی تلوار ان کے سروں پر ہمہ وقت لٹکی رہتی تھی حکمران اور ان کے ہم نظریہ افراد اہل بیتؑ کے حق میں کوئی بات سننے کی تاب نہ رکھتے تھے مگر اس کے باوجود خانوادہ رسالت ﷺ کی عظمت و رفعت کے متعلق احادیث و روایات، ان سے مروی خطبے اور ارشادات سینہ بہ سینہ چلے آتے رہے اور اس دوران جب بھی کبھی راویان حدیث کو وعظ یا تحریر کے ذریعے بیان کا موقع ملا تو انہوں نے برملا اظہار کر دیا حتی کہ مخالف طبقہ کے سنجیدہ افراد بھی ان حقائق کو بیان کیے بغیر نہ رہ سکے۔ اس کے بعد ان پر کیا گزرتی؟

اس کی صرف ایک ادنی سی مثال ذیل میں بیان کی جارہی ہے جسے علامہ ذہبی نے رقم کیا ہے:

محدثین اہلسنت میں سے تیسری صدی کے ایک بہت بڑے بلند پایہ حافظ حدیث اور امام دار قطنی ایسے ائمہ حدیث کے استاد محدث محمد عبداللہ بن محمد بن عثمان الواسطی نے ایک موقع پر اہل واسط کو حضرت علی علیہ السلام کی شان میں "حدیث طیر" (1) حفظ اور املا کرائی جسے ان کی طبیعتیں (بغض علی

---

*۔ محقق ومدرس جامعۃ الکوثر، اسلام آباد

کی بناپر) برداشت نہ کر سکیں اس وجہ سے فوراً سب لوگ ان کی مخالفت پر کمربستہ ہوگئے ان کو مجلس درس سے اٹھادیا اور ان کی جگہ کو پانی سے دھویا۔ محدث صاحب اس تکلیف دہ عمل سے کبیدہ خاطر ہو کر اپنے گھر میں ہی گوشہ نشیں ہوگئے اور اس کے بعد پھر کسی واسطی کو حدیث نہیں پڑھائی اہل واسط میں ان کی روایت کردہ احادیث کی کمی کی وجہ یہی ہے۔(2)

علامہ ذہبی کے اس بیان سے ہمارے بیان کردہ نکتۂ نظر کو زیادہ تقویت پہنچتی ہے۔

غور فرمایئے! صرف اموی انحراف پسندی کے تحفظ کے لئے اپنے ہی محدث کو "فضیلت علیؑ" میں محض ایک حدیث پڑھانے کی پاداش میں ہمیشہ کے لئے کس طرح انہیں گھر کی چار دیواری میں محصور کردیا، نہ صرف یہ، بلکہ آئندہ کے لئے بھی ان کی بیان کردہ کسی حدیث یا روایت کو درخور اعتنا نہ سمجھا گیا۔ ایسے لاکھوں کربناک واقعات آج بھی صفحات تاریخ پر نقش ہیں تاہم یہ سلسلہ تاہنوز جاری ہے مگر بقول عمر خیام ہم یہی عرض کریں گے۔

تو خون کساں بخوری ماخون رزاں   انصاف بدہ کدام خونخوار تریم

بنوامیہ کے ہمنوا اور ان کے نظریہ سے متاثر ہونے والے بے رحم قلمکاروں نے قلم و قرطاس کے ذریعے حضرت سیدہ خاتون جنت سلام اللہ علیہا پر گذرے ہوئے ناقابل برداشت جانگداز واقعات کو نظروں سے اوجھل کرنے کی حتی المقدور سعی نافرجام کی ہے، لیکن تاریخ آخر تاریخ ہوتی ہے جو امتداد زمانہ کے باوجود ہر دور میں اپنے سینے میں موجود سچائیاں منظر عام پر لاتی رہتی ہے اور جب بھی کوئی شخص مفاد یا تعصب و تنگ نظری کی عینک لگا کر اس کے حقائق کو جھٹلانے کی کوشش کرتا ہے تو وہ اپنے ناقابل تردید حوالوں کے ساتھ اپنا بھرپور دفاع کرتی ہے۔

اگرچہ اس خطبہ کو مختلف مسالک سے تعلق رکھنے والے اتنے علمائے حدیث و تاریخ نے بڑے وثوق سے درج کیا ہے کہ ان کا مختار ہی سند ہے، لیکن اس کے باوجود اس کے راویوں پر علم رجال کی روشنی میں نظر ڈالنا مناسب ہوگا۔ اگر علی سبیل التنزل ایک لمحے کے لیے یہ باور کر لیا جائے کہ اس خطبہ کے کچھ راوی کمزور ہیں تب بھی یہ خطبہ قابل احتجاج واستشہاد رہے گا وہ اس لیے کہ جمہور محدثین کا اس امر پر اتفاق ہے کہ جب حدیث ضعیف بھی متعدد اسانید سے مروی ہو تو چاہیے الگ الگ ہر طریق بجائے خود ضعیف ہو مگر سب مل کر وہ حسن لغیرہ ہو جاتی ہے۔ چونکہ خطبہ فدک کئی اسانید و طرق کے ساتھ نقل ہوا ہے تو اس قاعدہ کی رو سے اس کا ضعف ختم ہو جائے گا اور لامحالہ اس کی صحت میں کلام ناممکن ہے۔

مذکورہ خطبے کے متعدد سلسلوں میں سے ایک سلسلہ کے زیر بحث راوی درج ذیل ہیں:

- ام المومنین حضرت عائشہ المتوفاۃ ۵۸ھ
- حضرت عروہ بن زبیر بن عوام مدنی متوفی ۹۴ھ
- جناب صالح بن کیسان مدنی تابعی متوفی ۱۴۶ھ
- جناب محمد بن اسحاق بن یسار متوفی ۱۵۱ھ
- شرقی بن قطامی متوفی ۲۴۵ھ
- محمد بن زیاد بن عبداللہ الزیادی متوفی ۲۵۰ھ
- جناب احمد بن عبید بن ناصح النحوی متوفی ۲۷۸ھ
- جناب محمد بن عمران المرزبانی متوفی ۳۸۴ھ
- جناب محمد بن احمد الکاتب متوفی ۳۳۶ھ

اس خطبے کو حضرت عائشہ، حضرت عروہ بن زبیر اور صالح بن کیسان جیسے بہت سے جلیل القدر ائمہ ثقات اور حفاظ کی صحیح اسانید سے روایت کیا ہے لہٰذا اس کے صحیح ہونے میں کسی قسم کے شک و شبہ کے گنجائش نہیں ہے۔

جناب سیدہ فاطمۃ الزہراء سلام اللہ علیہا کے اس فصیح و بلیغ خطبے کو بڑے بڑے جلیل القدر علماء واہل فن نے اپنی تالیفات میں سند کے ساتھ اور بعض نے اقتباسات کو درج کرنے کی سعادت حاصل کی ہے طوالت واطناب کو ملحوظ خاطر لاتے ہوئے ہم یہاں صرف ایک سند کے رواۃ پر تبصرہ کرنا مناسب سمجھتے ہیں اگر اس خطبہ کی متعدد اسناد کو زیر بحث لایا جائے تو اس کے لئے باقاعدہ ایک دفتر درکار ہے۔

دنیائے علم میں پانچویں صدی کی ایک نابغہ روزگار شخصیت، علم وادب کے بحر زخار آیۃ اللہ فی العالمین السید شریف مرتضیٰ علم الہدی المتوفی ۴۳۶ھ ہیں جو محتاج تعارف نہیں۔ جن کو قدرت نے مبداء فیاضی سے علوم نقلیہ وعقلیہ پر یکساں دسترس اور وسعت نظر ودیعت فرمائی ہے اس بطل جلیل کے علمی تفوق وبرتری کا اعتراف اہل سنت کے جید اور نامور علماء نے کیا ہے۔

چنانچہ علامہ شمس الدین الذہبی المتوفی ۷۴۸ھ جو فن رجال میں استقراء تام کے حامل اور ائمہ فنون میں سرخیل کا درجہ رکھتے ہیں انہوں نے ایک ضخیم کتاب "سیر اعلام النبلاء" کے نام سے لکھی جو پچیس جلدوں پر مشتمل ہے اس کی جلد ۱۷ صفحہ ۵۸۸ تا ۵۸۹ طبع بیروت میں سرکار علامہ کے بارے میں لکھتے ہیں:

العلامۃ الشریف المرتضیٰ۔۔۔ من ولد موسی کاظم۔۔۔ وکان من الاذکیاء الاولیاء المتبحرین فی الکلام والاعتزال والادب والشعر۔۔۔

ان کے علاوہ دیگر بہت سے غیر شیعہ علماء نے ان کی عظمت وجلالت اور رفعت علمی کو بڑے شدومد سے بیان کیا ہے۔

علامہ سید مرتضیٰ علم الہدیٰ نے اس خطبہ کو اپنی شہرہ آفاق تصنیف "الشافی فی الامامۃ" میں اسناد کے ساتھ نقل کیا ہے اس کتاب کی اہمیت وافادیت کے لئے یہی کافی ہے کہ علامہ یاقوت حموی شافعی کو یہ لکھنا پڑا:

وھو کتاب لم یصنف مثلہ فی الامامۃ۔

یہ وہ کتاب ہے جس کی مثل کوئی دوسری کتاب مسئلہ امامت میں نہیں لکھی گئی۔ (3)

چنانچہ علامہ سید مرتضیٰ علم الہدی سلسلہ سند بیان کرتے ہوئے یوں رقمطراز ہیں:

اخبرنا ابوعبداللہ محمد بن عمران المرزبانی قال حدثنی محمد بن احمد الکاتب قال حدثنا احمد بن عبید بن ناصح النحوی قال حدثنا الزیادی حدثنا شرقی بن قطامی عن محمد بن اسحاق قال حدثنا صالح بن کیسان عن عروۃ عن عائشۃ قالت لما بلغ فاطمۃ علیھا السلام اجماع ابی بکر منعھا (فدك) لاثت خمارھا علی راسھا واشتملت بجلبابھا واقبلت فی لمۃ من حفدتھا۔۔۔۔ الخ

"ہم سے بیان کیا ابو عبداللہ محمد بن عمران المرزبانی نے اور اس سے بیان کیا محمد بن احمد الکاتب نے اور اس سے بیان کیا احمد بن عبید بن ناصح نحوی نے اور اس سے بیان کیا الزیادی نے اور اس سے بیان کیا شرقی بن قطامی نے اور اس سے بیان کیا محمد بن اسحاق نے اور اس سے بیان کیا صالح بن کیسان نے اور اس سے بیان کیا کہ عروہ بن زبیر نے اور اس سے بیان کیا حضرت عائشہ نے کہ جب حضرت فاطمۃ الزہراءؑ نے سنا کہ حضرت ابوبکر نے ان کو فدک نہ دینے کا فیصلہ کر لیا ہے تو آپ نے سر پر مقنعہ ڈالا اور پھر سر سے پاؤں تک چادر اوڑھی اور کنیزوں کے گروہ میں حضرت ابوبکر کے پاس آئیں۔۔۔۔۔" (4)

اسی طرح ان کے تلمیذ رشید شیخ الطائفہ ابو جعفر محمد بن حسن الطوسی المتوفی ۴۶۰ھ نے اس سند کو اپنی بیش بہا تالیف "تلخیص الشافی جلد ۳ صفحہ ۱۳۹ طبع نجف اشرف ۱۳۸۳ھ میں درج کیا ہے۔

سطور بالا میں درج کی گئی سند بالکل صحیح ہے راویوں کا علی الترتیب جائزہ پیش خدمت ہے۔

حضرت عائشہؓ:۔ جناب سیدہ فاطمۃ الزہراء سلام اللہ علیہا کے خطبہ فدک کی مرکزی راویہ حضرت عائشہ ہیں جو کسی تعارف کی محتاج نہیں ہیں یہ حضرت ابوبکر کی صاحبزادی ہیں ان کی والدہ کا نام ام روماں بنت عامر بن عویمر ہے صحابہ کرام اور تابعین کے ایک بڑے طبقے نے ان سے روایات نقل کیں۔ انہوں نے معاویہ بن ابی سفیان کے دور حکومت ۵۷ھ یا ۵۸ھ میں مدینہ منورہ میں وفات پائی۔

عروۃ بن زبیر بن عوام مدنی:۔ مشہور صحابی حضرت زبیر بن عوام کے فرزند تھے ان کی ماں جناب اسماء بنت ابوبکر تھیں آپ حضرت ابوبکر کے نواسے ہیں، آپ کی ولادت کے متعلق علامہ ذہبی خلیفہ بن خیاط کے حوالے سے لکھتے ہیں:

ولد عروۃ سنۃ ثلاث وعشرین فھذا قول قوی۔

عروہ ۲۳ہجری میں پیدا ہوئے یہی قول معتبر اور قوی ہے (5)

ثقۃ فقیہ مشہور من الثانیہ

"آپ مشہور ثقہ فقیہ تھے اور دوسرے طبقہ کی شخصیات میں آپ کا شمار ہوتا ہے۔"

کتب صحاح ستہ میں متعدد احادیث آپ سے مروی ہیں (6) امام احمد بن عبداللہ عجلی نے کہا ہے کہ "عروۃ بن الزبیر تابعی ثقۃ کان رجلا صالحاً" ثقہ تابعی اور نیک متدین شخص تھے حضرت عمر بن عبدالعزیز نے کہا: ما اجد اعلم من عروۃ بن الزبیر، میں نے عروہ بن زبیر سے بڑا عالم کسی کو نہیں پایا (7) آپ نے اپنے والد اور حضرت عائشہ سے خصوصیت کے ساتھ احادیث حاصل کیں۔ انہوں نے حضرت عائشہ کا پورا علمی ذخیرہ اپنے سینہ میں محفوظ کر لیا تھا حضرت عروہ اس قدر محتاط تھے کہ کوئی مسئلہ محض رائے سے نہ بیان کرتے تھے (8) انہوں نے مدینہ منورہ کے مضافات اپنے علاقے "مجاج" میں ۹۴ہجری میں انتقال کیا۔

صالح بن کیسان مدنی:۔ صالح بن کیسان ابوالحارث الغفاری المدنی تابعین کے بڑے طبقہ میں شمار ہوتے ہیں آپ عمر بن عبدالعزیز اموی کی اولاد میں سے ہیں عروہ بن زبیر اور دیگر بہت سے صحابہ وتابعین سے روایت کرتے ہیں کتب صحاح ستہ اور دوسری کتابوں میں ان سے روایات نقل ہوئیں آپ ثقہ، ثبت فقیہ اور چوتھے طبقہ کے راوی ہیں (9) حافظ ابن حجر عسقلانی اپنی شہرہ آفاق کتاب تہذیب التہذیب جلد ۴ صفحہ ۴۰۰ میں لکھتے ہیں:

کان صالحاً ثقۃ۔۔۔۔ وقال ابن حبان فی الثقات کان من فقھاء المدینۃ والجامعین للحدیث والفقہ من ذوی الھیئۃ والمروۃ۔۔۔۔ حافظا اماماً کثیر الحدیث ثقۃ حجۃ۔

آپ دیندار ثقہ تھے اور ابن حبان نے ثقات میں کہا ہے کہ یہ فقہاء مدینہ اور حدیث وفقہ کے جامعین میں سے تھے آپ حافظ، امام، کثیر الحدیث اور قابل وثوق حجت تھے۔

حافظ احمد عجلی نے تاریخ الثقات صفحہ ۲۲۶ پر ان کو ثقہ کہا ہے پھر اسی کتاب کے فاضل محشی ڈاکٹر عبدالمعطی قلعجی نے حاشیہ نمبر ۱۰ پر "متفق علی توثیقہ" کہہ کر ان کی ثقاہت پر تمام علماء کا اتفاق نقل کیا ہے۔ آپ ۱۴۶ہجری میں واصل بحق ہوئے۔

محمد بن اسحاق:۔ محمد بن اسحاق بن یسار اہلسنت کے جمہور محدثین کے نزدیک ثقہ اور قابل اعتماد ہے چنانچہ امام کمال الدین محمد بن عبدالاحد المعروف ابن ہمام حنفی تحریر کرتے ہیں:

امام محمد بن اسحاق حدیث کے بارے میں ایمان والوں کے امیر ہیں اور بڑے بڑے علماء مثل امام ثوری، عبداللہ بن مبارک وغیرہ جیسے ان کے شاگرد ہیں امام یحیٰ بن معین، امام احمد بن حنبل اور دوسرے ائمہ اہل سنت نے اس سے روایت لی ہے اور امام بخاری نے "جزء القرأۃ خلف الامام" میں ان کی وثاقت پر اعتماد کیا ہے امام ابن حبان نے بھی ان کا ذکر اپنی قابل وثوق رواۃ پر مشتمل کتاب "الثقات" میں کیا ہے (10)

اور امام بخاری نے محمد بن اسحاق کی توثیق کو اپنی کتاب "التاریخ الکبیر" جلد ا صفحہ ۴۱ طبع دکن میں بھی مختصر طور پر بیان کر دیا ہے۔ حنفی مسلک کے ترجمان امام جمال الدین زیلعی حنفی نے ابن اسحاق کے متعلق لکھا ہے:

وابن اسحاق الاکثر علی توثیقہ وممن وثقہ البخاری۔۔۔ قال شعبۃ محمد بن اسحاق امیر المومنین فی الحدیث وقال عبداللہ بن مبارک محمد بن اسحاق ثقۃ ثقۃ۔

ابن اسحاق کو (ائمہ) کی اکثریت نے ثقہ کہااور توثیق کرنے والوں میں امام بخاری بھی ہیں شعبہ نے کہاکہ محمد بن اسحاق حدیث کے باب میں امیر المومنینؒ ہیں اور عبداللہ بن مبارک نے کہاکہ محمد بن اسحاق ثقہ ہے ثقہ ہے ثقہ ہے۔(11)

اصول حدیث کے ابتدائی طالب علم بھی جانتے ہیں کہ تعدیل کے الفاظ میں توثیق مقرر، درجہ اول کے الفاظ میں شمار ہوتے ہیں۔

جیساکہ ابن حجر العسقلانی تقریب التہذیب صفحہ ۳ پر مراتب تعدیل بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

من اکد مدحه امابافعل کاوثق الناس اوبتکریر الصفة لفظاً کثقة ثقة اومعنی کثقة حافظ۔

"دوسرے مرتبے میں وہ لوگ ہیں جن کی مدح تاکید کے ساتھ کی گئی ہے افعل التفضیل کا صیغہ استعمال کیا گیا ہو جیسے "اوثق الناس" یا لفظوں میں صفت کو مکرر کر دیا جائے جیسے "ثقة ثقة" یا معنوں میں مکرر کر دیا جائے جیسے ثقہ حافظ "(12)

علامہ ذہبی اپنی مشہور عالم تصنیف میزان الاعتدال جلد ۳ صفحہ ۴۷۵ طبع مصر میں محمد بن اسحاق کے تذکرہ میں مختلف اقوال نقل کرکے تحقیق بسیار اور قیل و قال بے شمار کے بعد آخر میں بطور نتیجہ رقم طراز ہیں:

فالذی یظهر لی ان ابن اسحاق حسن الحدیث صالح الحال صدوق۔۔۔۔۔ وقد استشهد مسلم بخمسة احادیث لابن اسحاق ذکرها فی صحیحه۔

"مجھے جو ظاہر ہوا وہ یہ ہے کہ محمد بن اسحاق حسن الحدیث صالح الحال اور صدوق ہے اور بے شک امام مسلم نے اس سے اپنی صحیح مسلم میں پانچ احادیث میں استشہاد کیا ہے۔"

امام محمد بن اسحاق نے ۱۵۱ ہجری میں انتقال کیا ہے۔

مندرجہ بالا اہل سنت کے ائمہ فن اور اکابر احناف کی ان واضح تصریحات سے ثابت ہوا کہ جمہور ائمہ حدیث نے محمد بن اسحاق کو ثقہ اور حسن الحدث قرار دیا ہے۔

حَدَّثَنِی، سَمِعْتُ سے شبہ تدلیس کا ارتفاع:

البتہ بعض فن رجال کے ماہرین نے یہ وضاحت کی ہے کہ محمد بن اسحاق ثقہ ہیں مگر چونکہ مدلس بھی ہیں اس لئے جب وہ "عن" سے روایت کریں گے تو ان کی حدیث ضعیف ہوگی اور جب وہ "حدثنی" یا "حدثنا" اور "سمعت" کہہ کر روایت کریں گے تو وہ حدیث صحیح ہوگی۔ جیساکہ حافظ ابن تیمیہ اپنے مجموعہ فتاوی جلد ۳۳ صفحہ ۸۵ میں لکھتے ہیں:

وابن اسحاق اذا قال حدثنی فحدیثه صحیح عند اهل الحدیث۔

ابن اسحاق اگر حدثنی کہہ کر تصریح کرے تو محدثین کے نزدیک اس کی حدیث صحیح ہے۔

مزید برآں موجودہ زمانہ کے معروف ماہر رجال علامہ ناصر الدین البانی (المتوفی ۱۴۲۰ھ) نے بھی حافظ ابن تیمیہ حرانی کی کتاب "الکلم الطیب" کے حاشیہ صفحہ ۴۴ پر اس بات کی وضاحت کر دی ہے۔ علاوہ ازیں طے شدہ قانون یہ ہے کہ ہر ثقہ مدلس راوی کے لیے سماع کی تصریح ضروری ہے ورنہ اس کی روایت قابل قبول نہیں ہے۔

لہٰذا جناب فاطمۃ الزہراء بنت رسول اللہ ﷺ کے خطبہ فدک کی حقانیت و صحت پورے طور پر ثابت ہے کیونکہ محمد بن اسحاق نے یہ خطبہ فدک "حدثنا صالح بن کیسان" کہہ کر روایت کیا ہے۔ جو اس کے صحیح ہونے کی روشن دلیل ہے۔

شرقی بن قطامی:۔ اس کا اصل نام ولید بن حصین بن جمال بن حبیب بن جابر بن مالک ہے اس کا تعلق مشہور قبیلہ بنی عمرو بن امرئ القیس سے ہے۔(13)

امام بخاری کا اس پر تنقید اور جرح نہ کرنا اس امر کی واضح دلیل ہے کہ یہ قابل اعتبار اور ثقہ راویوں سے ہے۔ جیسا کہ اس سلسلے میں مولانا ظفر احمد عثمانی لکھتے ہیں:

سکوت ابن ابی حاتم او البخاری عن الجرح فی الراوی توثیق لہ۔

"ابن ابی حاتم یا امام بخاری کا راوی پر جرح کرنے سے سکوت اختیار کرنا گویا اس کی توثیق ہے۔" (14)

انہی صفحات کے حاشیہ پر محقق محشیٰ استاد شیخ عبد الفتاح ابو غدہ شاگرد علامہ زاھد الکوثری نے اس بات کی تائید کی ہے۔

علاوہ ازیں اس کے ثقہ اور معتبر ہونے کے لئے یہی کافی ہے کہ امام ابن حبان تمیمی جیسے فن علم حدیث کے امام نے اپنی کتاب الثقات جلد ۳ صفحہ ۴۴۰ طبع دار الکتب العلمیہ بیروت میں اس کا تذکرہ کرنے کی سعادت حاصل کی ہے اور جس کو امام ابن حبان اپنی ثقات میں بیان کر دیں جہالت وجرح رفع ہو جاتی ہے۔

چنانچہ علامہ انور شاہ محدث کاشمیری نے حافظ ابن عبد الہادی کے حوالے سے لکھا ہے:

ان ابن حبان اذا ادرج احداً فی کتاب الثقات ولم یخرج فیہ احد فھو ثقۃ فالحدیث قوی،

امام ابن حبان تمیمی جب کسی کو ثقات میں ذکر کریں اور اس پر کوئی جرح نہ ہو تو وہ ثقہ ہوتا ہے اس کی حدیث مضبوط ہوتی ہے (15)۔

اور اسی تناظر میں مولانا ظفر احمد عثمانی نے قواعد فی علوم الحدیث صفحہ ۲۴۶ پر اور شیخ الحدیث مولانا عبد الرحمٰن محدث مبارکپوری نے ابکار المنن صفحہ ۱۳۱ مطبع فاروقی دہلی میں حضرت علامہ انور شاہ محدث کاشمیری کے اس بیان کی بڑے شد ومد سے مزید تائید وتصویب کر دی ہے۔

مذکورہ بالا عبارت سے آشکار ہوا کہ محدثین اہلسنت کے نزدیک ابن حبان کی توثیق معتبر ہے اور صرف ابن حبان کی توثیق سے بھی راوی کی جہالت مرتفع ہو جاتی ہے۔ درج بالا تحقیق سے شرقی بن قطامی کی ثقاہت مزید واضح ہو گئی ہے۔

محمد بن زیاد بن عبداللہ الزیادی:۔ ان کا پورا نام یہ ہے محمد بن زیاد بن عبداللہ الزیادی جیسا کہ علامہ ذہبی ان کے حالات لکھتے ہوئے ابتداء ان الفاظ سے کرتے ہیں:

الامام الحافظ الثقۃ الجلیل ابوعبداللہ محمد بن زیاد بن عبیداللہ ابن الربیع بن زیاد بن ابیہ الزیادی البصری من اولاد امیر العراق زیاد الذی استلحقہ معاویۃ ولد فی حدود سنۃ ستین ومائۃ۔۔ حدث عنہ البخاری وابن ماجۃ وابن خزیمہ۔۔ وعدد کثیر۔۔۔

"امام حافظ بہت بڑا ثقہ ابوعبداللہ محمد بن زیاد۔۔ الزیادی بصری یہ زیاد بن ابیہ جسے معاویہ نے اپنا بھائی بنالیا تھا اور جو عراق کا حکمران تھا کی اولاد سے ہیں اور ۱۶۰ ہجری کی حدود میں پیدا ہوئے۔ ان سے امام بخاری، امام ابن ماجہ اور امام ابن خزیمہ وغیرہ ائمہ کی زیادہ تعداد نے روایات لی ہیں۔" (16) یہ امام بخاری کے شیوخ میں سے ہیں۔ (17)

حافظ محمد بن طاہر مقدسی المعروف بابن قیسرانی نے صحیح بخاری کے راویوں میں ان کا تذکرہ یوں کیا ہے:

محمد بن زیاد بن عبداللّٰہ بن الربیع بن زیاد سمع محمد بن جعفر عندنا روی عنہ البخاری فی الادب۔ (18)

علامہ ذہبی نے الکاشف جلد ۳ صفحہ ۳۸ پر اس کے حالات میں تحریر کیا:

۔۔۔ الزیادی بصری صدوق۔۔۔، یہ بصرے کا رہنے والا ہے روایت کے باب میں نہایت سچا ہے۔

مزید برآں سنن ترمذی جلد اول "باب المسح علی الخفین" میں بھی محمد بن زیاد الزیادی سے حدیث نقل کی گئی ہے۔

امام ترمذی نے اس سے مروی حدیث کے ذیل میں کہا ہے:

ھذا حدیث حسن صحیح "یہ حدیث حسن صحیح درجہ کی ہے"

یہی حدیث مسند الامام احمد جلد ۴ صفحہ ۲۳۹ طبع بیروت میں بھی موجود ہے۔

علاوہ ازیں امام الجرح والتعدیل ابن حبان تمیمی نے اپنی ثقات میں اس کی تصحیح کی ہے۔
ثابت ہوا کہ محمد بن زیاد الزیادی بلا شک وشبہ ثقہ اور انتہائی سچا ہے اس سے مروی روایت قابل قبول ہے لہٰذا خطبہ فدک کی صحت روز روشن کی طرح واضح ولائح ہو گئی ہے۔
چنانچہ حافظ ابن حجر العسقلانی کا تقریب التہذیب صفحہ ۳۲۰ میں یہ کہنا کہ "صدوق یخطی" محمد بن زیاد الزیادی سچا ہے خطاء کر جاتا ہے۔ اس کے متعلق جواباً گزارش یہ ہے کہ جب وہ صدوق ہے اور کبھی کبھی اس سے خطا ہو جاتی ہے تو اس سے بیان کردہ روایت میں ضعف پیدا نہیں ہوتا جیسا کہ سابقہ اوراق میں علامہ ذہبی کا بیان گذر چکا ہے کہ ائمہ حدیث میں سے خطا سے کوئی بھی نہ بچ سکا نیز یہ طے شدہ اصول ہے کہ فلیس من شرط الثقة ان لایغلط ابداً، "پس ثقہ راوی کی یہ شرط نہیں کہ اس سے غلطی کا کبھی صدور نہ ہوا ہو" چونکہ یہ عقلاء کے نزدیک بھی ایک ممتنع اور نہایت محال امر ہے۔
لہٰذا یہ اس کی بیان کردہ روایت کے ضعف اور کمزوری کا باعث ہر گز نہیں بن سکتا بلکہ اس کی حدیث حسن درجہ سے کم نہیں ہوتی یہی وجہ ہے امام ترمذی اور ابن حبان تمیمی جیسے ائمہ حدیث نے اس کی اسناد کو حسن صحیح قرار دیا ہے۔
احمد بن عبید بن ناصح النحوی:۔ علامہ ذہبی نے ان کا تعارف ان الفاظ میں بیان کیا ہے:
ابوعصیدة الشیخ العالم المحدث ابوجعفر احمد بن عبید بن ناصح بن بلنجر الدیلمی ثم البغدادی الهاشمی۔۔ الخ (19)
یہ جن ائمہ حدیث سے روایت بیان کرتے ہیں وہ کثیر تعداد میں ہیں مگر چند ایک کے نام یہ ہیں حسین بن علوان کلبی، علی بن عاصم، ابوداؤد الطیالسی اور محمد بن زیاد الزیادی وغیر ہم۔ (20)
علاوہ بریں علامہ ذہبی سیر اعلام النبلاء جلد ۱۳ صفحہ ۱۹۴ پر ان کے متعلق ابن عدی کا قول نقل کیا ہے:
کہ احمد بن عبید بمقام سر من رائے میں رہائش پذیر تھا اصمعی اور محمد بن مصعب سے مناکیر بیان کرتا تھا اس کے بعد علامہ ذہبی ارقام فرماتے ہیں: قلت قد تابعه احمد الحوطی قال وابوعصیدة مع هذا کله من اهل الصدق، "میں (ذہبی کہتا ہوں) کہ احمد حوطی نے اس کی متابعت کی ہے اور کہا اس کے باجود ابوعصیدہ (احمد بن عبید) سچے لوگوں میں سے ہے۔"
بعض لوگوں نے احمد بن عبید پر مبہم قسم کی جرح کی ہے جو نا قابل التفات وغیر مسموع ہے کیونکہ یہ اہل صدق میں سے ہیں پھر بھی بموجب ومن یعری من الخطأ والتصحیف یعنی وہم وخطاء سے کون بچ سکا ہے بعض اوقات انسان سے غلطی ہو جاتی ہے۔
علامہ ذہبی نے بڑے پتے کی بات کہی ہے چنانچہ فرماتے ہیں:
قلت۔۔۔ فأرنی اماما من الکبار سلم من الخطاء والوهم فهذا شعبة وهو فی الذروة له اوهام وکذلك معمر والاوزاعی ومالك رحمة الله علیهم۔۔۔
"مجھے بڑے بڑے محدثین ائمہ میں سے کوئی ایسا امام دکھاؤ جس سے وہم اور خطاء نہ ہوئی ہو، یہ شعبہ چوٹی کے محدث ہیں ان سے کئی اغلاط ہوئے ہیں اور اس طرح معمر اور اوزاعی ومالک سے اوہام واغلاط سرزد ہوئے ہیں۔" (21)
واضح ہو کہ احمد بن عبید النحوی نے ۲۷۸ ہجری میں وفات پائی ہے۔
محمد بن عمران المرزبانی:۔ سید موصوف (علم الہدی) نے اس خطبے کو اپنے شیخ ابوعبداللہ محمد بن عمران المرزبانی سے نقل کیا ہے۔
یہ جمادی الثانی ۲۹۷ھ پیدا ہوئے (22) یاقوت حموی کی معجم الادباء جلد ۱۸ صفحہ ۲۶۸ طبع دار المامون مصر میں ان کے متعلق لکھا ہے:
کان راویة صادق اللهجة واسع المعرفة بالروایات کثیر السماع روی عن البغوی وطبقته۔۔۔ وکان ثقة صدوقاً من خیار المعتزلة۔۔
معروف فاضل محشی ومحقق علامہ محمد ابوالفضل ابراہیم المصری نے کتاب غرر الفوائد ودرر القلائد کے مقدمہ میں لکھا ہے:

فقد کان اماماً من ائمة الادب و شیخا من شیوخ المعتزلة وعلما من اعلام الروایة۔۔۔

"علم وادب کے ائمہ میں سے ایک امام اور معتزلہ کے شیوخ اور راویان حدیث میں سے تھے۔" (23)

حافظ ابن خلکان نے ان کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے:

۔۔۔۔ المرزبانی الخراسانی الاصل البغدادی المولد صاحب التصانیف المشہورۃ والمجامیع الغریبة کان روایة للادب صاحب اخبار و توالیفه کثیرۃ وکان ثقة فی الحدیث ومائلا الی التشیع فی المذهب۔۔۔

"یہ اصل خراسانی تھے بغداد میں پیدا ہوئے، مشہور کتابوں کے مصنف ہیں علم وادب کے راوی اور تالیفات کثیرہ کے مالک تھے اور حدیث بیان کرنے میں قابل وثوق ہیں اور مذہب میں ذرا تشیع کی طرف میلان تھا۔"

(24)۔

ممکن ہے کہ کوئی کم فہم یہ سمجھ بیٹھے کہ مرزبانی شیعہ تھا یہ تصور قطعاً غلط ہے بلکہ وہ معتزلی اہلسنت تھا بقول ابن خلکان صرف مائل بہ تشیع تھا حقیقی شیعہ بالکل نہ تھا چنانچہ ائمہ اہل سنت نے ان کے معتزلی المذہب ہونے کی صراحت بایں الفاظ فرمائی ہے علامہ ذہبی نے ان کے حالات میں واشگاف الفاظ میں لکھا ہے:

۔۔۔کان معتزلیاً ثقةً

۔۔۔ابو عبداللہ محمد بن عمران المرزبانی معتزلی اور قابل وثوق تھا۔ (25)

اور بعینہا اسی طرح علامہ حافظ ابن حجر العسقلانی نے ان کا مذہب یہی بتلایا ہے:

کان مذهبه الاعتزال وکان ثقة

"ان کا مذہب معتزلی تھا اور (روایت کے باب میں) ثقہ تھے" (26)

البتہ حضرت علی علیہ السلام سے محبت کے گہرے جذبات اور مخلصانہ عقیدت کی وجہ سے ان کے بارے میں کہا گیا ہے کہ ان کا تشیع کی طرف میلان تھا در حقیقت ان کا تعلق مسلک اہل سنت سے تھا۔ ابو عبداللہ محمد بن عمران مرزبانی ثقہ اور معتبر ہے اور اس نے خطبہ فدک کو اپنے بزرگ محمد بن احمد الکاتب سے سماعت فرمایا اور پھر "حدثنی" کہہ کر آگے پھیلایا ہے۔ مرزبانی نے ۳۸۴ھ کو وفات پائی ہے۔

شیعہ راوی سے مروی روایت کی حجیت تسلیم شدہ ہے

اگر بفرض محال یہ تسلیم کر لیا جائے کہ یہ راوی شیعہ تھے تب بھی ان کی بیان کردہ حدیث یا روایت کے قبول کرنے میں کوئی امر مانع نہیں ہے اس لئے کہ محدثین اور ماہرین اصول حدیث اہلِ سنت کا رواۃ حدیث کے بارے میں یہ مسلمہ اصول ہے:

الغلو فی التشیع لیس بجرح اذا کان الراوی ثقة-

"جب راوی ثقہ ہو تو محض غلو در تشیع موجب جرح نہیں ہے"

اس موقف پر دلیل یہ ہے کہ کتب اہل سنت میں اکثر غالی شیعہ راویوں کو قابل وثوق اور ان سے مروی روایات کو قبول کیا گیا ہے چنانچہ مشہور ماہر علم رجال علامہ ذہبی نے کوفہ کے رہنے والے ایک کٹر شیعہ راوی ابان بن تغلب کے متعلق لکھا ہے:

ابان بن تغلب الکوفی شیعی جلد لکنه صدوق فلنا صدقه وعلیه بدعته وقد وثقه احمد بن حنبل وابن معین وابوحاتم واورده ابن عدی وقال کان غالیاً فی التشیع۔۔۔ الخ

"ابان بن تغلب کوفی کٹر شیعہ ہیں لیکن یہ ہیں سچے، پس ان کی صداقت وسچائی ہمارے لئے اور بدعت ان کی اپنے لئے اور امام احمد بن حنبل، امام ابن معین اور امام ابوحاتم رازی نے بلاشبہ ان کی توثیق کی ہے اور ابن عدی ان کے حالات کو لائے ہیں اور کہا ہے کہ یہ غالی شیعہ تھے۔"

یہ بات ذہن نشین رہے کہ اہل سنت کی اصطلاح میں غالی شیعہ اسے کہا جاتا ہے کہ جو شخص حضرت علی علیہ السلام سے زیادہ محبت کرتا ہو اور انہیں تمام صحابہ سے افضل وارفع جانتا ہو اور انہی کو بعد از پیغمبر ﷺ متصل خلیفہ سمجھتا ہو اور ان کے دشمنوں سے بیزاری اختیار کرتا ہو۔ واضح رہے کہ شیعہ سے متعلق اس قسم کی اصطلاحات کے دراصل خالق بنی امیہ ہیں اور اس کے پس منظر میں امویوں کے جبر و تشدد کا نتیجہ اور ان کی شیعہ دشمنی کارفرما تھی۔ بعدازاں علامہ ذہبی نے ان کے حالات پر اجمالی بحث کی ہے اس کے بعد بطور نتیجہ کلام یوں رقمطراز ہیں:

فهذا كثير في التابعين وتابعيهم مع الدين والورع والصدق فلو رد حديث هؤلاء لذهب جملة من الآثار النبوية وهذه مفسدة بينة۔

"اس قسم کا (تشیع) تابعین اور تبع تابعین میں بہت زیادہ پایا جاتا ہے اس کے باجود وہ دیندار، پرہیزگار اور سچے ہیں اگر ان شیعہ راویوں کی احادیث کو رد کر دیا جائے تو اس سے احادیث نبویہ کا بڑا ذخیرہ ضائع ہو جائے گا اور یہ بہت بڑی واضح خرابی ہے۔" (27)

اہل علم طبقہ جانتا ہے کہ اہل سنت کی بنیادی کتابیں صحاح ستہ میں بہت بڑی تعداد میں شیعہ رواۃ موجود ہیں ایسے راویوں کی نشاندی ہی کے لئے دیگر کتب رجال کے علاوہ حافظ ابن حجر عسقلانی کی کتاب "مقدمہ فتح الباری شرح صحیح البخاری" کا مطالعہ مفید رہے گا۔ مثال کے طور پر کتب صحاح ستہ کا ایک راوی عدی بن ثابت انصاری ہے جو صرف شیعہ ہی نہیں بلکہ شیعوں کی مسجد کا امام اور ان کا بہت بڑا خطیب اور واعظ تھا، اس کے باوجود اس سے مروی احادیث اعلیٰ طبقہ میں شمار ہوتی ہیں۔

علامہ ذہبی اس کا تعارف ان الفاظ کے ساتھ کرتے ہیں:

الامام الحافظ الواعظ الانصاری الکوفی۔۔۔

اور امام احمد بن حنبل، امام عجلی، امام نسائی اور امام ابوحاتم رازی وغیرہ آئمہ حدیث نے اس کی توثیق کی ہے۔ بعدازں علامہ ذہبی لکھتے ہیں:

كان امام مسجد الشيعة وقاصهم۔

"عدی بن ثابت شیعہ کی مسجد کے امام اور ان کے خطیب تھے۔" (28)

علاوہ بریں اس سلسلہ میں حاشیہ محمد حسن سنبھلی بر اصول شاشی صفحہ ۷۶ طبع دہلی کو بھی دیکھا جا سکتا ہے۔

مندرجہ بالا اخبار و آثار اور ناقابل تردید دلائل سے یہ حقیقت بالکل نکھر کر سامنے آ گئی ہے کہ اہلسنت کے اصول حدیث کے مطابق شیعہ سے مروی احادیث و روایات قابل عمل اور لائق التفات ہیں یہاں اس مسئلہ پر مزید بحث باعث تطویل ہے لہذا ان ہی الفاظ پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

قیاس کن ز گلستان من بہار مرا

محمد بن احمد الکاتب:۔ اس کا پورا نام اس طرح ہے ابو عبداللہ محمد بن احمد بن ابراہیم الحکیمی الکاتب ہے یہ بغداد کے رہنے والے تھے امام دارقطنی۔۔۔ محمد بن عمران المرزبانی جن کا ابھی اوپر تذکرہ ہوا ہے اور دیگر اکابر اس سے روایت کرتے ہیں یہ روایت کے باب میں ثقہ ہیں۔ (29)۔

محمد بن احمد الکاتب ماہ ذی القعدہ ۲۵۲ ہجری میں پیدا ہوا اور ۳۳۶ ہجری میں انتقال کیا۔ (30)

رفع اشکال: بعض طبائع کی طرف سے یہ سوال وارد کیا جا سکتا ہے کہ محمد بن احمد الکاتب کے لئے " ثقة الا انه يروى مناكير" استعمال ہوا ہے اس کے جواب میں گذارش ہے کہ یہ کوئی جرح نہیں ہے علمائے فن نے اس کی صراحت کی ہے چنانچہ اصول حدیث کے ماہر علماء "یروی مناکیر" اور "منکر الحدیث" میں فرق بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

وان تفرق بين روى المناكير اويروى المناكير اوفى حديثه نكارة نحو ذلك وبين قولهم منكر الحديث ونحو ذلك بان العبارات الاولى لا تقدح الراوى قدحا يعتد به والاخرى تجرحه جرحاً معتدابه

تم پر "روی المناکیر" یا "یروی المناکیر" یا "فی حدیثہ نکارۃ" وغیرہ ایسے الفاظ کے اور "منکر الحدیث" کے درمیان فرق کرنا لازم ہے کیونکہ پہلے الفاظ قابل اعتبار جرح نہیں ہیں بر عکس دوسرے یعنی منکر الحدیث کے کہ یہ راوی پر ایسی جرح ہے جس کا اعتبار کیا جاتا ہے۔" (31)

مزید تفصیل کے لئے عصر حاضر کے مشہور ماہر فن حدیث محمد عبدالرحمٰن المرعشیلی کی تازہ تصنیف فتح المنان مقدمہ لسان المیزان صفحہ ۲۶۲ تا صفحہ ۲۶۴ طبع دار احیاء التراث العربی بیروت ملاحظہ کیجیے

سطور بالا میں بیان کئے گئے دلائل سے ثابت ہوا کہ یروی المناکیر جیسے الفاظ محمد بن احمد الکاتب کے ثقہ اور صدوق ہونے کی منافی نہیں بڑے بڑے جید ائمہ نے اس کو ثقہ کہا ہے اس کے لئے کوئی جرح مفسر ثابت نہیں ہے حالانکہ معمولی فہم کا انسان بھی اس بات کو بخوبی سمجھتا ہے کہ جس ثقہ یا صدوق راوی پر معمولی جرح یعنی یہم ،لہ مناکیر ،لہ اوہام اور یخطی وغیرہ ہو تو اس کی منفرد حدیث حسن درجہ کی ہوتی ہے۔

عطیہ عوفی پر جرح اور اس کا جواب

اس خطبہ (فدک) کی سند میں راوی عطیہ العوفی ہے جو کہ ضعیف ہے علماء نے اس کو ضعیف قرار دیا ہے تو یہ خطبہ قابل احتجاج نہیں ہے۔

جواب:۔ جناب عطیہ بن سعد العوفی کوفہ کے جلیل القدر تابعی ہیں ان کو بعض صحابہ کرام سے روایت حدیث کا شرف حاصل ہے ان کا شمار اجلۂ روایان حدیث میں ہوتا ہے حضرت علی المرتضیٰؑ کے ظاہری زمانہ خلافت میں یہ پیدا ہوئے ان کے والد بزرگوار حضرت سعد بن جنادہ بارگاہ حضرت علیؑ میں حاضر ہوئے عرض کیا اے امیر المومنینؑ ! اللہ تعالیٰ نے مجھے فرزند عطا فرمایا ہے اس کا نام تجویز کیجیے۔ آپؑ نے فرمایا "ہذا عطیۃ اللہ" یہی سے ان کا نام عطیہ رکھا گیا۔

انہوں نے حضرت فاطمہ زہراؑء کے خطبۂ فدک کو عبداللہ محض اور دیگر مشاہیر صحابہ وتابعین سے روایت کیا ہے اللہ تعالیٰ نے ان کو حضرت علیؑ کی محبت سے حظ وافر عطا فرمایا تھا یہی وجہ ہے کہ امتداد زمانہ کے زیر اثر کچھ متعصب لوگوں نے ان کی بے جا تضعیف کی ہے حالانکہ یہ بات واضح ہے کہ جرح جب تعصب وعداوت اور منافرت وغیر کی بنا پر ہو تو ایسی جرح بالاتفاق قابل سماعت نہیں ہے بلکہ یہ جرح نہات مردود اور مطرود ہے۔

عطیہ عوفی ۱۱۱ھ کو شہر کوفہ میں واصل بحق ہوئے۔ ان کی حیات مستعار میں ۸۱ھ ان کے لیے انتہائی صبر آزما سال تھا۔

اسی سال سفاک زمانہ حجاج بن یوسف نے اپنے گورنر کو حکم دیا تھا کہ عطیہ اگر علی بن ابی طالب کو سب وشتم کرے تو فبہا وگرنہ اسے ۴۰۰ کوڑے مارے جائیں اس کے سر اور داڑھی کے بال بھی نوچ لیے جائیں تو جناب عطیہ عوفی نے بھرے دربار میں جلادوں اور ننگی تلواروں کے ہجوم میں اس فعل قبیح سے صاف انکار کر دیا بالآخر اس کو ان سنگین مراحل سے گزرنا پڑا۔ (32)

قارئین کرام! مذکورہ بالا بیان کیے گئے مندرجات سے یہ امر مترشح ہوتا ہے کہ اگر عطیہ عوفی خلیفہ راشد حضرت علیؑ اور ان کی اولاد پاک کی شان اقدس میں خدانخواستہ نازیبا کلمات استعمال کرتا تو ''جمہور'' کے نزدیک حریز بن عثمان حمصی (مشہور ناصبی، بخاری کا راوی (33) ہے) اور عمران بن حطان (بخاری کا راوی ہے حضرت علیؑ کے قاتل ابن ملجم مرادی ملعون کی مدح سرائی کیا کرتا تھا) کی طرح ثقہ، معتبر اور انتہائی قابل اعتماد راویوں میں شمار ہوتا حالانکہ اصول حدیث کا تقاضا یہ ہے کہ ناصبی اپنی منافقت اور عداوت اہل بیت کی وجہ سے غیر ثقہ اور ناقابل اعتماد ہوتا ہے۔ بلاوجہ صرف محبت علی کے جرم میں عطیہ العوفی کو متہم اور مطعون کرنے کی سعی نامشکور کی گئی۔

جبکہ امام بخاری کی ''الادب المفرد'' کے علاوہ سنن اربعہ یعنی ترمذی، ابوداود اور ابن ماجہ جیسے کتب صحاح کے مشاہیر ائمہ حدیث نے عطیہ عوفی سے روایت حدیث کو باعث شرف سمجھا۔ جو اس کے عادل اور قابل اعتبار ہونے کی ایک روشن دلیل ہے۔

سطور ذیل میں ہم اہل سنت کے مشاہیر ائمہ اور محدثین کی توثیقات پیش کئے دیتے ہیں تمام کا استقصاء تو دشوار ہے لیکن بطور مثال صرف چند ایک کی تصریحات یہ ہیں۔

امام ابن معین نے عطیہ عوفی کی زبردست توثیق کی ہے۔ (34)۔

جب یحییٰ بن معین سے پوچھا گیا: کیف حدیث عطیۃ؟ آپ عطیہ عوفی کی حدیث کو کیسے پاتے ہیں؟ تو انہوں نے کہا'' صالح''۔ (35)

واضح رہے کہ تمام مستند اصول حدیث کی کتابوں میں یہ بات مرقوم ہے کہ آئمہ حدیث کی اصطلاح میں ''لا بأس بہ'' راوی کے ثقہ ہونے کا ہی مفہوم ہے۔ (36)

نہایت ثقہ اور معتمد مورخ محمد ابن سعد بصری نے عطیہ عوفی کے حالات میں لکھا ہے:

وکان ثقة ان شاء الله تعالیٰ وله احادیث صالحة

عطیہ عوفی انشاءاللہ تعالیٰ قابل وثوق ہے اور اس سے مروی احادیث بالکل درست ہیں۔ (37)

اصح الکتب صحیح بخاری کے شارح علامہ بدرالدین عینی نے فقہ حنفی کی استدلالی کتاب ''طحاوی شریف'' کے راویوں کے حالات میں ایک ضخیم کتاب ''مغانی الاخیار من رجال معانی الآثار'' کے نام سے تصنیف فرمائی جو تین جلدوں پر مشتمل ہے اس کی تلخیص مولانا رشد اللہ السندی نے ''کشف الاستار عن رجال معانی الآثار'' کے نام سے ایک جلد میں مرتب کی جسے دارالعلوم دیوبند کے مفتی اعظم مولانا محمد شفیع الدیوبندی نے اپنے مفید مقدمہ و حواشی کے ساتھ اپنے مرکزی ادارہ ''دارالاشاعت والتدریس دارالعلوم دیوبند'' سے ۱۹۳۰ء کو شائع کرنے کی سعادت حاصل کی ہے یہی نسخہ ہمارے پیش نظر ہے۔

چنانچہ اس مذکورہ کتاب میں امام بدرالدین عینی اور مولانا رشد اللہ السندی حضرت عطیہ عوفی کے بارے میں رقم طراز ہیں:

عطية بن سعد بن جنادة العوفي الجدلي الكوفي ابوالحسن صدوق

"عطیہ بن سعد عوفی (روایت حدیث کے باب میں) سچا ہے" (38)

اور اسی طرح ماضی قریب کے مشہور محقق علامہ استاذ احمد محمد شاکر نے بھی سنن ترمذی کی شرح میں ان کی بھرپور مدافعت کی ہے اور واشگاف الفاظ میں کہا ہے:

"لوگوں نے عطیہ کے بارے میں کلام کیا ہے حالانکہ وہ (حدیث کے باب میں) سچا ہے میرے نزدیک اس کی حدیث حسن درجہ سے کم نہیں ہے اور بلاشبہ امام ترمذی نے اس کی سب سے زیادہ تحسین کی ہے۔"

چنانچہ ان کی اصل عبارت یہ ہے:

وعطية هذا تكلموا فيه كثيراً وهو صدوق وفي حفظه شئي وعندي ان حديثه لا يقل عن درجة حسن وقد حسن له الترمذي كثيراً كما في الحديث (39)

نیز امام ترمذی نے عطیہ عوفی سے مروی اس محولہ بالا باب کی حدیث اور حدیث ثقلین کے ذیل میں ان دونوں کو حسن اور بعض دیگر احادیث کو صحیح قرار دیا ہے۔

نواب صدیق حسن خان ایک حدیث پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

و در سندش عطیه بن سعد عوفی ست گ و ابن معین وغیره توثیقش نموده و ترمذی حدیث او را تحسین کرده و این حدیث از همان جنس ست که آن را حسن گفته و ابن خزیمه حدیث او را در صحیح خود آورده و نسائی باسناد صحیح از طارق بن شهاب بجلی آورده۔

"اس حدیث کی سند میں عطیہ بن سعد عوفی ہے ابن معین اور دیگر آئمہ نے اس کی توثیق کی ہے امام ترمذی نے اس کی حدیث کو حسن کہا اور یہ حدیث اسی جنس سے ہے کہ جسے ہم حسن کہا جائے امام ابن خزیمہ اس کی حدیث کو اپنی "صحیح" میں لائے ہیں اور امام نسائی صحیح سند کے ساتھ طارق بن شہاب بجلی کے طریق سے عطیہ عوفی کی حدیث لائے ہیں۔" (40)

حافظ ابن حجر عسقلانی نے امالی الاذکار جلد ۲ صفحہ ۱۴۴ طبع بیروت میں کچھ تفصیل سے عطیہ عوفی کی توثیق نقل کی ہے۔ مزید برآں احناف کے فقیہ شہیر ابوالحسنات مولانا عبدالحہ لکھنوی کے مایہ ناز شاگرد مولانا امیر علی حنفی ملیح آبادی متوفی ۱۹۱۹ء مترجم ہدایہ و فتاویٰ عالمگیری نے بھی اپنی کتاب تقعیب التقریب مطبوع بر حاشیہ تقریب التہذیب صفحہ ۲۶۵ طبع نول کشور میں عطیہ عوفی کے بارے میں امام ترمذی کی تحسین کو نقل کیا ہے۔

یہ بات اظہر من الشّمس ہے کہ امام ترمذی کا عطیہ سے مروی حدیث کو "حسن" کہنا اس سے مراد سند کا اچھا ہونا ہے خود امام ترمذی نے کتاب "العلل" میں اس بات کی تصریح بھی کردی ہے:

"جہاں ہم "حدیث حسن" کہتے ہیں وہاں ہماری مراد سند کا حسن ہونا ہے جو کئ سندوں سے مروی ہو جس میں کوئی راوی متہم بالکذب نہ ہو اور وہ حدیث شاذ بھی نہ ہو، تو وہ ہمارے نزدیک حسن ہے۔"

اب یہ کہنا کہ عطیہ عوفی غیر ثقہ ہے محض تعصب اور تحکم و سینہ زوری ہے ورنہ ان مندرجات کو ملاحظہ کرنے کے بعد یہ امور ثابت اور واضح وآشکار ہو چکے ہیں کہ عطیہ عوفی حدیث کے باب میں ثقہ، صدوق اور نہایت اعلیٰ درجہ کی صفات کا حامل ہے اس سے مروی احادیث اور روایات عندالمحدثین صحیح ہیں۔اس حقیقت کے واضح ہونے کے باوجود پھر بھی کوئی بلاتدبر و تفکر انکار پر مصر رہے تو یہ لاعلاج مرض ہے کیونکہ:

گرنہ بیند بروز شپرہ چشم چشمۂ آفتاب را چہ گناہ

اکابر علماء اہل سنت جنہوں نے خطبہ فدک کو نقل کیا ہے۔

ان ہی حقائق کے پیش نظر بہت سے وسیع النظر محققین اور اساطین علم و تحقیق نے کھلے دل سے اس خطبہ فدک کو تسلیم کیا اور اپنی تالیفات میں بلا نکیر اسے نقل کر دیا ہے۔

ذیل میں مزید ان مصنفات کی نشاندہی کی جاتی ہے۔

چنانچہ تیسری صدی ہجری کے معروف ادیب اور مشہور مورخ و محقق ابوالفضل احمد بن ابی طاہر المعروف ابن طیفور جو بغداد میں ۲۰۴ھ میں پیدا ہوئے اور ۲۸۰ھ میں انتقال فرما گئے آپ اہل سنت کے بلند پایہ محدث ہیں ان کے مزید حالات کے لیے تاریخ بغداد، جلد ۴ صفحہ ۲۱۱، معجم الادباء جلد ۱ صفحہ ۳۸۵، الاعلام للزرکلی جلد ۱ صفحہ ۱۳۸، فہرست لابن ندیم صفحہ ۱۸۰ وغیرہ کتب رجال کو دیکھا جائے۔

انہوں نے اپنی تاریخی کاوش ''بلاغات النساء'' میں ان خطبوں کو شامل کرنے کا شرف حاصل کیا اور تین سلسلوں سے وہ ان کی سند لائے ہیں بلاغات النساء مطبوعہ الطبعۃ الاولی دار الاضواء بیروت ۱۹۹۹ء اس کی تحقیق و تخریج کا نہایت قابل ستائش کام ڈاکٹر یوسف البقاعی نے کیا ہے یہی نسخہ ہمارے کتب خانہ کی زینت ہے چنانچہ مورخ موصوف خطبہ فدک کو بعنوان ''کلام فاطمۃ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم'' کے ذیل میں لائے ہے جو صفحہ ۲۰ تا صفحہ ۳۰ تک پھیلا ہوا ہے اس خطبہ کی صحت کے لئے حضرت امام زین العابدین علیہ السلام کے صاحبزادے جناب زید شہید کا یہ بیان لکھا ہے:

رایت مشایخ آل ابی طالب یروونہ عن آبائھم ویعلمونہ ابنائھم

''میں نے خاندان ابوطالب کے بزرگوں کو اپنے آباواجداد سے یہ خطبہ روایت کرتے ہوئے دیکھا اور وہ اپنی اولاد کو یہ خطبہ یاد کرواتے تھے''

اور مورخ ابن طیفور نے یہ جملہ بھی جناب زید شہید کا ہی ارقام کیا ہے

وقد حدثنیہ ابی عن جدی یبلغ بہ فاطمۃ علی ھذہ الحکایۃ

''اور بے شک مجھے اپنے پدر بزرگوار نے میری جدہ ماجدہ کے حوالے سے یہ خطبہ بیان فرمایا ہے۔''

۲۔ برادران اہلسنت کے ایک اور قابل قدر دانشمند امام ابوبکر احمد بن عبدالعزیز جوہری بغدادی متوفی ۳۲۳ھ کا نام ملتا ہے۔ جنہوں نے چوتھی صدی ہجری میں خاصے تحقیقی کارنامے سرانجام دیے ہیں اور جن کی ایک تصنیف ''السقیفۃ وفدک'' ہے بحمد اللہ ہمارے کتب خانہ میں اس کا ایک مطبوع نسخہ موجود ہے یہ وہ علمی شخصیت ہیں کہ جن کے بارے میں ممتاز عالم عبدالحمید ابن ابی الحدید بغدادی نے اپنے تاثرات یوں بکھیرے ہیں:

وابوبکر الجوھری ھذا عالم محدّث، کثیر الادب، ثقۃ، ورع اثنی علیہ المحدثون وروواعنہ مصنفاتہ

"اور ابوبکر جوہری۔ یہ مانے ہوئے عالم، محدث، ادب آفریں۔ نہایت معتبر اور پرہیزگار بزرگ ہیں۔ سارے محدثین نے انہیں خراج عقیدت پیش کیا ہے اور ان کے متاع فکر کی روایت کی ہے۔" (41)

ان کے علاوہ امام ابوبکر جوہری کی توثیق بہت سی کتب رجال میں موجود ہے لیکن یہ اوراق مزید تذکرہ کے متحمل نہیں ہیں۔

امام جوہری نے اپنی مذکورہ بالا کتاب کے صفحہ ۹۷ تا صفحہ ۱۰۵ طبع مکتبہ نینوی الحدیثۃ میں خطبہ فدک کو چار طرق واسانید سے بیان کیا ہے۔

۳۔ اور علامہ ابن ابی الحدید بغدادی نے اپنی مایہ ناز کتاب شرح ابن ابی الحدید جلد ۱۶ صفحہ ۲۱۰ تا صفحہ ۲۳۴ طبع دار احیاء الکتب العربیہ مصر ۱۹۶۲ء میں حضرت علی المرتضیٰ کے خطبہ میں مروی ''وکانت فی ایدینا فدک'' کے تحت بڑی شرح وبسط کے ساتھ درج کیا ہے۔ ابن ابی الحدید کی یہ شرح بہت سے اہم اور دقیق مطالب پر مشتمل ہے جس سے بعد میں آنے والے اہل سنت کے علماء نے اس سے استفادہ کیا ہے۔

۴۔ شہرہ آفاق مورخ احمد بن ابی یعقوب بن واضح الکاتب عباسی، یہ تیسری صدی کا مورخ ہے اور بقول علامہ شبلی نعمانی کہ "اس کی کتاب خود شہادت دیتی ہے کہ وہ بڑے پایہ کا مصنف ہے چونکہ اس کو دولت عباسیہ کے دربار سے تعلق تھا اس لئے تاریخ کا اچھا سرمایہ بہم پہنچا سکا ہے اس کی کتاب جو "تاریخ یعقوبی" کے نام سے مشہور ہے "اس کتاب کے صفحہ ۸۶ جلد ۲ طبع دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۹۶۰ء میں حضرت بتول عذرا کے اس احتجاجی خطبے کا حوالہ دیا گیا ہے۔

۵۔ تیسری اور چوتھی صدی کے معروف مؤرخ ابوالحسن علی بن حسین المسعودی الشافعی المتوفی ۳۴۶ھ جو بقول شبلی نعمانی "فن تاریخ کا امام ہے اسلام میں آج تک اس کے برابر کوئی وسیع النظر مؤرخ پیدا نہیں ہوا وہ دنیا کی اور قوموں کی تواریخ کا بھی بہت بڑا ماہر تھا" (42)۔

انہوں نے اپنی تصنیف "مروج الذہب" جلد اول صفحہ ۴۱۶ المطبعۃ البہیۃ المصریۃ مصر ۱۹۲۷ء میں بعد از وفات پیغمبر ﷺ رونما ہونے والے واقعات اور اس خطبے کی جانب یوں اشارہ کیا ہے:

واخبار من قعد من البیعۃ ومن بایع وما قالت بنوهاشم وما کان من قصۃ فدک وما قاله اصحاب النص والاخبار فی الامامت وما قالوه فی امامۃ المفضول وغیره وما کان من فاطمۃ وکلامها متمثلۃ حین عدلت الی قبر ابیها علیه السلام .... مما ترکنا ذکره من الاخبار فی هذا الکتاب اذ کنا قد أتینا علی جمیع ذلک فی کتابنا اخبار الزمان والکتاب الاوسط فاغنی ذلک عن ذکره ههنا،

اس عبارت کا مفہوم یہ ہے کہ ہم نے خاندان بنو ہاشم کا ابو بکر کی بیعت اور واقعہ فدک کے متعلق مفسرین و مؤخرین کے بیانات امامت اور مفضول کی امامت کے متعلق ان کی آراء اور سیدہ فاطمۃ الزہراء کا اپنے بابا رسول خدا ﷺ کی قبر مبارک پر فریاد کرنا اور جناب فاطمہ زہرا اور ان کے خطبے کا تذکرہ اس کتاب میں نہیں کیا بلکہ اپنی دوسری تصانیف "اخبار الزمان" اور "کتاب الاوسط" میں ہم نے اس کا تفصیلی ذکر کر دیا ہے۔

ہمیں مؤثق ذرائع سے مسموع ہوا ہے کہ علامہ مسعودی شافعی کی محولہ بالا دونوں کتابیں بیروت سے چھپ کر منظر عام پر آچکی ہیں لیکن تلاش بسیار کے باوجود ہمیں دستیاب نہ ہو سکیں ورنہ ہم اپنے قارئین کے لیے انہی کتابوں سے اصل عبارت کو نقل کر دیتے۔

۶۔ دنیائے اسلام کے سیرت نگار ابوالفرج علی بن حسین اصبہانی اموی متوفی ۳۵۶ھ نے اپنی تالیف ''مقاتل الطالبیین'' جلد اول صفحہ ۶۲ تا صفحہ ۶۳ طبع دار احیاء العلوم بیروت ۱۹۶۲ء میں جناب عون ابن عبداللہ ابن جعفر کے حالات میں اس خطبے کی نشاندہی اس طرح کی ہے:

أُمّه زینب العقیلة بنت علی ابن ابی طالب وامّها فاطمة بنت رسوال اللّٰه والعقیلة هی الّتی روی ابن عبّاس عنها کلام فاطمة ص فی فدک فقال: حدّثتنی عقیلتنا زینب بنت علی۔۔۔۔ الخ۔

"جناب عون کی والدہ۔ علی ابن ابی طالب اور رسول کریم کی بیٹی جناب فاطمہ زہراء کی صاحبزادی حضرت زینب عقیلہ تھیں اور فہم وفراست کی نشانی یہ وہی زینب ہیں جن کے بارے میں جناب عبداللہ ابن عباس نے کہا تھا کہ: "حضرت فاطمہ کا فدک والا خطبہ مجھے عقلیہ بنی ہاشم جناب زینب بنت علی سے دستیاب ہوا"

۷۔ بلند پایہ محدّث اور قابل تعریف مورخ شمس الدین ابوالمظفر یوسف بن فرأغلی بن عبداللہ بغدادی المعروف سبط ابن جوزی حنفی نزیل دمشق (متوفی ۶۵۴ھ)

اپنی معرکۃ الاراء کتاب ''تذکرۃ الخواص من الائمۃ'' صفحہ ۲۸۵ طبع دار الاضواء بیروت ۱۴۰۱ھ میں جناب سیدہ کی فصاحت و بلاعت پر تفصیلی بحث کرتے ہوئے آپ کے خطبہ فدک کے ایک خاص حصے کو تحریر میں لائے ہیں۔

۸۔ عربی ادب کے نامور سکالر امام مجد الدین ابو سعادات مبارک المعروف ابن اثیر الجزری متوفی ۶۰۶ھ نے اپنی لغت کی مشہور و متداول کتاب ''النہایہ فی غریب الحدیث والاثر'' جلد ۳ صفحہ ۳۵۷ المطبعۃ الخیریہ بمصر قاہرہ ۱۳۰۶ھ میں لفظ ''لمۃ'' کی وضاحت میں لخت جگر پیغمبر کے خطبے کی جانب بایں الفاظ اشارہ فرمایا ہے:

''لمہ'' فی حدیث فاطمۃ رضی اللہ عنہا انہا خرجت فی لمۃ من نسائہا تتوطا ذیلہا الی ابی بکر فعاتبتہ ای فی جماعۃ من نسائہا،

۹۔ حافظ ابن اثیر جزری نے منال الطالب شرح غریب الطوال صفحہ ۵۰۱ تا صفحہ ۵۳۴ مطبوعہ مکہ مکرمہ میں جناب زینب بنت علی کے حوالے سے خطبہ فدک کو نقل کیا ہے نیز ابن اثیر نے ابن قتیبہ کا یہ قول لکھا ہے قد کنت کتبتہ وانا أری ان لہ اصلاً خطبہ نقل کرنے کے بعد اس امر کی صراحت یوں کی ہے ھذا طرف من حدیث اطول منہ یروی من طریق اھل البیت وحکمہ حکم الحدیث الذی قبلہ فی الرد والقبول فان لفظھا ومعناھا معترفان من بحر واحد

۱۰۔ لغت عرب کے امام جمال الدین محمد ابن مکرم افریقی نے اپنی شہرہ آفاق کتاب ''لسان العرب'' جلد ۱۲ صفحہ ۵۲۲ طبع دار صادر بیروت ۱۹۹۷ء میں لفظ ''لم'' کی تشریح کے ذیل میں اس خطبے کا اقتباس وہی نقل کیا ہے جو نہایہ کے حوالے سے اوپر گزر چکا ہے۔

۱۱۔ دور حاضر کے محقق، مورخ اور نقاد ڈاکٹر عبد الفتاح عبد المقصود المصری نے اپنی گرانمایہ کتاب ''سیدتنا البتول فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا'' جلد ۲ صفحہ ۳۷ تا صفحہ ۳۸ طبع مکتبۃ المنہل الکویتیہ بیروت ۱۹۸۲ء میں اس خطبے کو اپنی کتاب کی زینت بنایا۔

۱۲۔ دمشق کے ایک سوانح نگار مصنف علامہ عمر رضا کحالہ نے اپنی کتاب ''اعلام النساء فی عالمی العرب والاسلام'' جلد ۴ صفحہ ۱۱۶ تا ۱۲۳ مطبوعہ مطبعہ ہاشمیہ دمشق ۱۹۵۹ء میں پورا خطبہ درج کرنے کی سعادت حاصل کی ہے۔

۱۳۔ ماضی قریب کے ایک صائب الرائے اور صحیح الفکر دانشور محقق استاد محمد بن حسن الحجوی الفاسی متوفی ۱۳۷۶ھ اپنی تالیف ''الفکر السامی فی تاریخ الفقہ الاسلامی'' جلد اول صفحہ ۲۰۳ مطبوعہ الطبعۃ الاولیٰ مکتبہ علمیہ مدینہ منورہ ۱۳۹۶ھ میں زیر عنوان ''سیدتنا فاطمۃ بنت مولانا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم'' میں اس خطبہ کی طرف یوں توجہ مبذول فرماتے ہیں:

۔۔۔ لکن ترجمۃ فضلہا وعقلہا وادبہا وشعرہا وخطبہا وجودہا وفقہہا خصت بالتالیف وانظر خطبہا فی کتاب بلاغات النساء۔۔۔ الخ

حقیقت حال یہ ہے کہ مؤلف موصوف فقہی مسلک کے لحاظ سے مالکی ہیں اور عقیدے کے اعتبار سے پکے سلفی اہلسنت ہیں جیسا کہ اسی کتاب جلد ۲ صفحہ ۲۰۰ کی ''القسم الرابع'' میں خود فرماتے ہیں:

اما عقیدتی فسنیۃ سلفیۃ اعتقد عن دلیل قرآنی برھانی ماکان علیہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم واصحابہ الراشدون۔۔۔ مالکی المذھب ماقام دلیل۔۔۔

اس کتاب کے فاضل محشیٰ استاد عبد العزیز بن عبد الفتاح القاری نے بھی اس کتاب کے ابتدائی صفحہ پر مؤلف کا یہی مذہب و مسلک تحریر کیا ہے۔ یہ بات ذہن نشین رہے کہ زیر نظر کتاب اپنے موضوع پر مرجع اور ماخذ کی حیثیت رکھتی ہے مؤلف نے کمال درجہ مطالعہ و تحقیق کے بعد بی بی عالیہ سلام اللہ علیہا کے خطبہ فدک کی توثیق و تصویب فرمائی ہے۔

۱۴۔ زمانہ حاضر کے ایک مشہور سکالر و دانشور استاد توفیق ابو علم جن کا شمار اہلسنت کے شہیر اور نامور محققین علماء میں ہوتا ہے۔ انہوں نے اپنی تصنیف ''اہل البیت'' صفحہ ۱۵۷ طبع الطبعۃ الاولیٰ مصر ۱۹۷۰ء اور دوسری کتاب ''فاطمۃ الزہراء'' صفحہ ۲۱۴ طبع دار المعارف بمصر قاہرہ، میں عنوان ''بلاغتہا وفصاحتہا رضی اللہ عنہا'' کے تحت جناب خاتون جنت کے پورے خطبے کو تحریر کیا ہے۔

مشاہیر علماء شیعہ جنہوں نے خطبہ فدک کو اپنی تالیفات میں درج کیا ہے

مندرجہ بالا تمام تصریحات برادران اسلامی کے معتمد علیہ اور جید علمائے کرام کی تھیں جنہوں نے اپنی تالیفات میں جناب مخدرہ کائنات سلام اللہ علیہاکے اس خطبے کو ارقام فرمایا ہے اور اب شیعہ مکتب فکر سے وابستہ جن علماء اعلام نے جناب فاطمۃالزہراء کے ان ارشادات کو اپنی تصنیفات میں درج کرنے کا شرف حاصل کیا ہے۔ان میں سے چند ایک کے اسمائے گرامی یہ ہیں

۱۵۔اعاظم علمائے شیعہ میں سے چوتھی صدی ہجری کے بطل جلیل عالم محمد بن جریرابن رستم طبری اپنی معرکہ آراء کتاب ''دلائل الامامۃالواضحۃ'' صفحہ ۳۰ تا صفحہ ۳۹ طبع نجف ۱۹۶۳ء میں زیر عنوان ''حدیث فدک'' جگر گوشہ امام الانبیاءﷺ کے خطاب کو پانچ طرق واسانید کے ساتھ تحریر میں لائے ہیں۔

۱۶۔رئیس المحدثین ابو جعفر محمد ابن علی یعنی شیخ صدوق علیہ الرحمۃ متوفی ۳۸۱ھ نے اپنی ایک بیش بہا تصنیف ''علل الشرائع'' جلد ۱ صفحہ ۲۴۸ طبع نجف میں موضوع کی مناسبت سے صدیقہ طاہرہ کے اس خطبے سے استنباط فرمایا ہے اور اپنی دوسری کتاب ''معانی الاخبار'' صفحہ ۳۵۴ طبع موسسۃ الاعلمی بیروت میں جناب سیدہ کے ان ارشادات کا پورا متن درج کیا جو آپ نے مدینے کی خواتین کے سامنے فرمائے تھے چونکہ آپ پوری کائنات کی خواتین کے لئے ایسا نمونہ عمل اور اسوہ کامل ہیں کہ مہتاب بھی آپ کے نقوش کی تلاش میں سرگرداں ہے۔

۱۷۔ چھٹی صدی ہجری کے بلند دانشمند شیخ احمد بن علی بن ابی طالب الطبرسی نے کتاب ''احتجاج طبرسی'' میں اس خطبہ کو حسب ذیل سند کے ساتھ نقل کیا ہے:

روی عبداللّٰہ بن الحسن باسنادہ عن ابائہ علیہم السلام انہ لما اجتمع ابوبکر وعمر علی منع فاطمۃ فدك وبلغھا ذلك لاثت خمارھا علی راسھا۔۔۔۔الخ (43)

۱۸۔ابو جعفر رشید الدین محمد بن علی بن شہر آشوب مازندرانی متوفی ۵۸۸ھ نے ''مناقب آل ابی طالب'' جلد ۲ صفحہ ۲۰۶ تا صفحہ ۲۰۸ مطبوعہ قم المقدسہ میں جناب بتول عذراء کے ان ارشادات کو لکھا ہے۔

۱۹۔امام السالکین جناب سید ابن طاؤس متوفی ۶۶۴ھ نے بھی اپنی تالیف ''الطرائف فی معرفۃ مذاہب الطوائف'' صفحہ ۲۶۳ تا صفحہ ۲۶۴ طبع موسسۃالبلاغ بیروت ۱۴۱۹ھ میں بعنوان ''خطبہ فاطمۃالزہراء فی مجلس ابی بکر'' کے ذیل میں اس خطبے کے اہم حصوں کو پوری سند کے ساتھ قلم بند کیا ہے۔

۲۰۔ساتویں صدی ہجری کے بہت بڑے عالم اور شارح نہج البلاغہ شیخ کمال الدین میثم بن علی ابن میثم بحرانی متوفی ۶۷۹ھ نے جناب عثمان ابن حنیف کے نام مولائے متقیان حضرت علی مرتضٰی کے مکتوب گرامی کی تشریح میں حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کے خطبے کی طرف توجہ دلاتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

"یہ نہایت طولانی خطبہ ہے۔ بعدازاں انہوں نے اس کے بعض جملے بھی نقل کیے ہیں۔" (44)

۲۱۔ساتویں صدی کے ایک عظیم دانشور علی ابن عیسیٰ اربلی متوفی ۶۹۳ھ اپنی کتاب "کشف الغمہ" جلد ۲ صفحہ ۱۰۸ تا صفحہ ۱۱۶ طبع نجف ۱۳۸۵ھ میں اس خطبے کو ابوبکر احمد بن عبدالعزیز بغدادی کی کتاب "السقیفۃ وفدک" کے حوالے سے نقل کیا ہے۔

۲۲۔علامہ محمد باقر مجلسی متوفی ۱۱۱۱ھ نے اس سرچشمہ نور اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تنہا یادگار کے انتہائی خوش نما تنوع کے بکھرے ہوئے پھولوں کو جمع کیا اور متعلقہ حوالوں کو بڑی وضاحت سے "بحار الانوار" جلد ۶ صفحہ ۱۰۷ طبع بیروت میں رقم فرمایا ہے!

۲۳۔علامہ سید محسن الامین الحسینی العاملی نے "اعیان الشیعہ" جلد ۱ صفحہ ۴۵۹ تا صفحہ ۴۶۳ مطبوعہ دار التعارف للمطبوعات بیروت میں دختر پیغمبرﷺ کے ان احتجاجی فرمودات کو شامل کتاب کرنے کا شرف پایا ہے۔مذکورہ بالا سطور میں چند مصنفات کو بطور مثال پیش کیا گیا ہے وگرنہ

بی بی پاک سلام اللہ علیہا کے ان ارشادات کو اہل فکر و نظر کی ایک بڑی تعداد نے نقل کیا ہے جنہیں خوف طوالت کی وجہ سے نظر انداز کیا جارہا ہے فذلك بحر لاساحل له۔

گرنیاید بگوش حقیقت کس بر رسولاں بلاغ باشد و بس

یہ وہ تاریخی حقائق تھے جنہیں اجمالی طور پر ہدیہ قارئین کیا گیا ہے۔اس کے بعد حضرت فاطمۃ الزہراؑ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس تاریخی خطبہ کی وثاقت میں کوئی شک وشبہ باقی نہیں رہ جاتا۔ واللہ یقول الحق وھو یھدی السبیل۔

قرآنی آیات سے استشہاد

الغرض عالمہ غیر معلّمہ بی بی نے اپنے بصیرت افروز خطبے میں قرآن مجید کی متعدد آیات سے بھی بھرپور استدلال کیا ہے۔مزید برآں ایسی بکثرت روایات اور مستند علماء کی توضیحات بھی وارد ہوئی ہیں کہ جن سے ثابت ہے کہ حضرت صدیقہ کبریٰ سلام اللہ علیہا نے اپنے موقف کی تائید میں قرآنی آیات کو استحضار واستشہاد کے طور پر پیش کیا۔

چنانچہ یوصیکم اللہ اولاد کم کی تفسیر میں امام فخر الدین رازی یوں تحریر کرتے ہیں: احتجت فاطمة بعموم قوله تعالیٰ یوصیکم اللہ فی اولاد کم للذکر مثل حظ الانثیین۔

حضرت فاطمہ زہراؑ نے حضرت ابوبکر کے سامنے اس عمومی آیت کو بطور احتجاج پیش کیا۔

امام المناطقہ علامہ عبد العزیز بخاری اصول بزدوی کی مشہور شرح کشف الاسرار جلد ا صفحہ ۳۰۸ طبع الصدف پبلشرز کراچی میں " باب العام اذالحقہ الخصوص " کے تحت رقم طراز ہیں:

اجماع السلف علی الاحتجاج بالعموم الی بالعام الذی خص منه فان فاطمة احتجت علی ابی بکر فی میراثها من ابیها بعموم قوله تعالیٰ یوصیکم اللہ فی اولاد کم الآیة مع ان الکافر و القاتل وغیرهما خصومنه۔

اسلاف کا اجماع ہے کہ جس عام کی تخصیص کی گئی ہو اس سے احتجاج کرنا درست ہے کیونکہ حضرت فاطمہؑ نے اپنے باپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی میراث کے بارے میں حضرت ابوبکر کے سامنے اس آیت کے عموم کے ساتھ دلیل پیش کی تھی کہ " یوصیکم اللہ فی اولاد کم الخ " باوجود اس کے کہ آیت کا عموم کافر اور اپنے باپ کی قاتل اولاد سے تخصیص خوردہ ہے۔

اور بعینہا اسی طرح قاضی بیضاوی نے اپنی تصنیف '' مرصاد الافہام الی مبادی الاحکام '' جو مختصر اصول ابن حاجب کی نہایت عمدہ شرح ہے، اس کے صفحہ ۹۸،۱۰۴ طبع قدیم بولاق مصر میں عموم جمع استدلال ہو سکتا ہے ؟ کے موضوع پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

ویدل علیه وجوه الاول تمسك الصحابة فان فاطمه رضی اللہ تعالیٰ عنها تمسك بعموم قولة تعالیٰ یوصیکم اللہ فی اولاد۔۔۔ الخ

یہ چند وجوہات سے ثابت ہے پہلی یہ کہ صحابہ کرام نے عموم حکم سے تمسک کیا ہے چنانچہ حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے عموم آیت یوصیکم اللہ فی اولاد کم کے ساتھ تمسک کرکے استدلال پیش کیا۔ (45)

اسی طرح شاہ ولی اللہ محدث الدہلوی رقم طراز ہیں:

پس ازاں صعب ترین اشکالات آن بود کہ حضرت فاطمہ و عباس بظاہر عموم آیت یوصیکم اللہ متمسک شدہ میراث آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم طلب کردند تمام مشکلات سے زیادہ مشکل حضرت ابوبکر کے لیے یہ ہوئی کہ حضرت فاطمہؑ اور حضرت عباس نے آیت مبارکہ یوصیکم اللہ فی اولاد۔۔۔ الخ کے ظاہری عموم سے دلیل پکڑتے ہوئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وراثت کا مطالبہ کر دیا۔ (46)

مزید برآں اس سلسلے میں طبقات ابن سعد جلد دوم صفحہ ۸۶ طبع لیدن ''باب ذکر میراث رسول اللہ صلعم وماترک'' کے ذیل میں حضرت امام جعفر الصادقؑ سے مروی ایک روایت بایں الفاظ موجود ہے:

جاءت فاطمة ابی بکر تطلب میراثها وجاء العباس بن عبد المطلب یطلب میراثه وجاء معهما علی فقال ابوبکر قال رسول اللہ لا نورث ما ترکناه صدقة وما کان النبی یعول فعلی فقال علی وورث سلیمان داؤد وقال زکریا یرثنی ویرث من ال یعقوب قال ابوبکر هو هکذا وانت واللہ تعلم مثلما اعلم فقال هذا کتاب اللہ ینطق فسکتوا وانصرفوا۔ (47)

حضرت فاطمہ زہراءؑ حق میراث طلب کرنے کے لیے حضرت ابوبکر کے پاس آئیں اور جناب عباس بن عبدالمطلب بھی میراث مانگنے کے لیے آئے اور ان دونوں کے ساتھ سیدنا علی المرتضیٰ ان کی ترجمانی کے لیے تشریف لائے، سو ابوبکر نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ ہم انبیاء کی میراث نہیں ہوتی جو کچھ چھوڑ جائیں صدقہ ہوتا ہے اور نبی کریم ﷺ جس کی کفالت کرتے تھے وہ میں کردوں گا۔ حضرت سیدنا علی المرتضیٰ نے اس میراث انبیاء کے جواب میں یہ آیات پیش کیں کہ اللہ تعالیٰ یہ فرماتے ہیں: کہ حضرت زکریا نے دعا کی کہ مجھے بیٹا عطا فرما جو میرا اور آل یعقوب کا وارث ہو۔ حضرت ابوبکر نے کہا کہ وہ ایسا ہی ہے اور آپ قسم بخدا جیسا ہم جانتے ہیں ویسا آپ جانتے ہیں۔ اس پر حضرت علی مرتضیٰ نے کہا کہ اللہ کی کتاب بول کر میراث انبیاء کو بیان کر رہی ہے اس پر مکالمہ ختم ہو گیا اور وہ چلے گئے۔

برصغیر کے مشہور سیرت نگار عالم مولانا حافظ عبدالرحمٰن امرتسری اپنی مشہور تصنیف ''الصدیق'' میں قدرے وضاحت کے ساتھ لکھتے ہیں:

جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فوت ہو گئے تو ابوبکر صدیق کے شروع میں خلافت میں بی بی فاطمہ بنت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم ابوبکر صدیق کے پاس آئیں اور اپنے باپ کی وراثت کی دعویدار ہوئیں جس میں فدک اور دیگر اموال شامل تھے۔ ان کا دعویٰ قرآن مجید کی اس آیت پر مبنی تھا:

يُوصِيكُمُ اللّٰهُ فِي أَوْلَادِكُمْ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنْثَيَيْنِ فَإِنْ كُنَّ نِسَاءً فَوْقَ اثْنَتَيْنِ فَلَهُنَّ ثُلُثَا مَا تَرَكَ وَإِنْ كَانَتْ وَاحِدَةً فَلَهَا النِّصْفُ وَلِأَبَوَيْهِ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا السُّدُسُ مِمَّا تَرَكَ إِنْ كَانَ لَهُ وَلَدٌ فَإِنْ لَمْ يَكُنْ لَهُ وَلَدٌ وَوَرِثَهُ أَبَوَاهُ فَلِأُمِّهِ الثُّلُثُ فَإِنْ كَانَ لَهُ إِخْوَةٌ فَلِأُمِّهِ السُّدُسُ مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُوصِي بِهَا أَوْ دَيْنٍ آبَاؤُكُمْ وَأَبْنَاؤُكُمْ لَا تَدْرُونَ أَيُّهُمْ أَقْرَبُ لَكُمْ نَفْعًا فَرِيضَةً مِنَ اللّٰهِ إِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيمًا حَكِيمًا (48)

یعنی اللہ تعالیٰ تمہاری اولاد (کے حصوں) کے بارے میں تم سے کہہ رہا ہے کہ لڑکے کا دو لڑکیوں کے برابر حصہ ہے۔ ابوبکر صدیق نے یہ جواب دیا کہ پیغمبروں کے مال میں وراثت نہیں ہوتی۔ اس پر بی بی فاطمہ ناراض ہو کر چلی گئیں اور مرتے دم تک ابوبکر صدیق سے نہ بولیں۔ یہ قصہ کتب حدیث اور تاریخ میں بہت تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔ (49)

تاریخ شاہد ہے کہ حضرت سیدہ خاتون جنت کے جواب میں مخالف نے کوئی آیت پیش نہیں کی تو اس تناظر میں دختر رسول کا موقف انتہائی مضبوط ثابت ہوتا ہے۔

بہر حال مذکورہ بالا بحث سے حضرت فاطمۃ الزہراء سلام اللہ علیہا کا یہ خطبہ اپنی سند کے اعتبار سے تمام منصف المزاج اہل علم کے لئے قابل قبول ہے اور اس خطبے میں بنت رسول ﷺ کی زبان مبارک سے بیان ہونے والے معارف دین پوری اُمت کے لئے رشد وہدایت حاصل کرنے کا وسیلہ بن سکتے ہیں۔ اس خطبے کے مطالب میں غور وفکر کرنے سے اُمت مسلمہ بہت سے اختلافات سے بچ سکتی ہے اور اس خطبے کا غیر جانبدارانہ مطالعہ اُمت کو یکجہتی ووحدت کے راستے پر گامزن کر سکتا ہے۔

*****

حوالہ جات

1۔ حدیث طیر یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "اللھم ائتنی باحب خلقك الیك یاكل معی ھذا الطیر فجاء علی فاكل معه" " اے اللہ! میرے پاس اسے بھیج جو تجھے اپنی مخلوق سے سب سے زیادہ محبوب ہے وہ میرے ساتھ یہ (بھنا ہوا) پرندہ (کا گوشت) کھائے پس آپ ﷺ کے پاس حضرت علیؑ تشریف لائے اور مل کر کھایا۔" (تاریخ دمشق ابن عساکر ج ۴۵ صفحہ ۲۷۸، المعجم الکبیر طبرانی ج ۷ صفحہ ۹۵، مجمع الزوائد ج ۹ صفحہ ۱۲۶)۔ اہل سنت کے مستند اور جید علماء نے اس حدیث کی بڑے شد و مد سے توثیق کی ہے جیساکہ علامہ ہیثمی نے اس حدیث کے ذیل میں لکھا ہے: "ورجال الطبرانی رجال الصحیح غیر فطر بن خلیفة و ھو ثقة (امام حاکم نے کہا ہے: "ھذا حدیث صحیح علی شرط الشیخین ولم یخرجاہ" (مستدرک علی الصحیحین ج ۳ صفحہ ۱۳۰)۔ علامہ ذہبی لکھتے ہیں: "واما حدیث الطیر فله طرق كثیرة جدا قد افردتها المصنف و مجموعها ھو یوجب ان یكون الحدیث له اصل" حدیث طیر بہت سی سندوں سے مروی ہے میں نے ان سب کو ایک الگ کتاب میں جمع کر دیا ہے جن سے یہی نتیجہ نکلتا ہے کہ اس حدیث کی اصل موجود ہے۔" (تذکرۃ الحفاظ ج ۳ صفحہ ۱۰۴۳ طبع دکن، سیر اعلام النبلاء ج ۱۳ صفحہ ۲۳۳)۔ یہ حدیث حضرت علی مرتضیٰؑ، سعد بن ابی وقاص، ابو سعید خدری، ابو رافع، جابر بن عبداللہ انصاری، حبشی بن جنادہ السلولی، یعلی بن مرۃ ثقفی، ابن عباس، سفینہ مولی رسول اللہ ﷺ، انس بن مالک اور دیگر بہت سے صحابہ کرام سے مروی ہے۔ بصرہ شہر میں عثمانیوں کی اکثریت تھی حضرت علیؑ کو ماننے والے صرف چند لوگ تھے جو نہ ہونے کے برابر تھے چنانچہ اس سلسلے میں حافظ ابن عبدالبر اندلسی نے العقد الفرید جلد ۴ صفحہ ۲۶۷ میں تحریر کیا ہے البصرۃ کلھا عثمانیة بصرہ تمام تر عثمان کے ماننے والوں کا شہر تھا۔ (جوادی)

2۔ ملاحظہ ہو: تذکرۃ الحفاظ للذہبی جلد ۳ صفحہ ۹۶۶، سیر اعلام النبلاء جلد ۱۶ صفحہ ۳۵۲

3۔ معجم الادباء ج ۱۳ ۱۴۷

4۔ ملاحظہ فرمائیے۔ الشافی فی الامامۃ صفحہ ۲۳۰ طبع قدیم تہران ۱۳۰۱ھ

5۔ سیر اعلام النبلاء جلد ۲ صفحہ ۴۲۲

6۔ تقریب التہذیب صفحہ ۲۶۳، الجمع بین رجال الصحیحین جلد ۱ صفحہ ۳۹۴

7۔ تاریخ الثقات صفحہ ۳۳۱، سیر اعلام النبلا جلد ۲ صفحہ ۴۲۵، ۴۳۳، تاریخ دمشق ابن عساکر جلد ۱۱ صفحہ ۹۲۱

8۔ تہذیب التہذیب جلد ۷ صفحہ ۱۸۳

9۔ تقریب التہذیب صفحہ ۱۷۴، الجمع بین رجال الصحیحین جلد ۱ صفحہ ۲۲۱، تذکرۃ الحفاظ جلد ۱ صفحہ ۱۴۸ طبع دکن

10۔ ملاحظہ ہو فتح القدیر جلد ۱ صفحہ ۹۰ مطبوعہ کوئٹہ

11۔ نصب الرایہ لاحادیث الہدایہ جلد ۱ صفحہ ۱۰۷ جلد ۴ صفحہ ۸ طبع ڈابھیل

12۔ کذافی، تاریخ اسماء الثقات لابن شاہین صفحہ ۱۵ طبع کویت

13۔ ملاحظہ ہو التاریخ الکبیر للامام بخاری جلد ۲ صفحہ ۲۵۴ رقم ۲۱۵۷ طبع حیدر آباد دکن، تاریخ بغداد جلد ۹ صفحہ ۲۷۸ رقم ۴۸۳۷ طبع بیروت

14۔ قواعد علوم الحدیث صفحہ ۲۲۳، ۳۵۸ طبع الریاض سعودی عرب

15۔ العرف الشذی علی سنن ترمذی صفحہ ۲۱۰ طبع دیوبند

16۔ سیر اعلام النبلاء جلد ۱۱ صفحہ ۱۵۴

17۔ ملاحظہ ہو: اسامی مشایخ الامام البخاری لابن مندہ اصبہانی صفحہ ۶۷ طبع مکتبۃ الکوثر سعودیہ

18۔ الجمع بین رجال الصحیحین جلد ۲ صفحہ ۴۵۹ طبع دکن

19۔ ملاحظہ فرمائیں سیر اعلام النبلاء جلد ۱۳ صفحہ ۱۹۳ طبع بیروت

20۔ تاریخ بغداد جلد ۴ صفحہ ۲۵۹

21۔ سیر اعلام النبلاء جلد ۶ صفحہ ۳۶

22۔ شذرات الذہب لابن حماد الحنبلی جلد ۳ صفحہ ۱۱۱ طبع بیروت

23۔ غرر الفوائد جلد ۱ صفحہ ۷ الطبعۃ الاولی دار احیاء الکتب العربیہ مصر ۱۹۵۴ء

24۔ وفیات الاعیان جلد ۱ صفحہ ۶۴۲ طبع قدیم مصر، شذرات الذہب جلد ۳ صفحہ ۱۱۱

25۔ سیر اعلام النبلاء جلد ۱۶ صفحہ ۴۴۸، میزان الاعتدال جلد ۳ صفحہ ۶۷۲، ۶۷۳، العبر فی خبر من غبر جلد ۲ صفحہ ۱۶۶ طبع بیروت

26۔ ملاحظہ ہو لسان المیزان جلد ۵ صفحہ ۳۲۷ طبع دکن

27۔ میزان الاعتدال جلد ۱ صفحہ ۵ طبع مصر، تدریب الراوی للسیوطی صفحہ ۱۲۹ طبع مدینہ منورہ

28۔ سیر اعلام النبلاء ج ۵ صفحہ ۱۸۸، میزان الاعتدال ج ۳ صفحہ ۶۱، مقدمہ فتح الباری صفحہ ۴۲۴ اور تہذیب التہذیب وغیرہ

29۔ تاریخ بغداد جلد ۱ صفحہ ۲۶۸، ۲۶۹ طبع بیروت، شذرات الذہب جلد ۲ صفحہ ۳۴۳، نشوار المحاضرہ للسیوطی جلد ۶ صفحہ ۱۷۷، ہدیۃ العارفین للبغدادی جلد ۲ صفحہ ۳۸

30۔ المنتظم لابن الجوزی جلد ۶ صفحہ ۳۵۹ طبع دکن، الانساب للسمعانی جلد ۲ صفحہ ۲۴۴ طبع بیروت، الوافی بالوفیات للصفدی جلد ۲ صفحہ ۴۰ طبع مصر

31۔ الرفع والتکمیل صفحہ ۱۵۰ طبع حلب، نصب الرایہ للزیلعی جلد ۱ صفحہ ۱۷۹ طبع قاہرہ، قواعد فی علوم الحدیث صفحہ ۶۳ طبع الریاض، ابکار المنن مبارکپوری صفحہ ۱۹۱ طبع دہلی

32۔ ملاحظہ ہو: طبقات ابن سعد ج ۶ صفحہ ۲۱۳ طبع لیدن، ذیل المذیل من تاریخ الصحابہ والتابعین لابن جریر الطبری صفحہ ۹۵ طبع مصر، تہذیب التہذیب ج ۷ صفحہ ۲۲۷ طبع دکن

33۔اس سلسلہ میں کتب صحاح ستہ یعنی صحیح بخاری، صحیح مسلم، سنن ترمذی، سنن ابو داؤد، سنن نسائی اور سنن ابن ماجہ کے ناصبی راوی اور ان پر سیر حاصل تبصرہ کے لیے ہماری تازہ تصنیف ''الھدیۃ السنیۃ بجواب تحفہ اثنا عشریہ'' کی پہلی جلد ملاحظہ فرمائیں۔
امام ابن معین علم حدیث اور فن جرح و تعدیل کے امام ہیں یہ مذہب کے لحاظ سے غالی حنفی تھے۔
جیسا کہ علامہ ذہبی نے اس کی تصریح اپنی کتاب ''الرواۃ الثقات المتکلم فیھم بما لایوجب ردھم'' میں کر دی ہے اتنے بڑے حنفی امام اور محدث کی توثیق و تصدیق کے بعد عطیہ عوفی کے ثقہ اور معتبر ہونے میں کسی بھی شبہ کا احتمال ہر گز نہیں کیا جا سکتا۔
چوتھی صدی ہجری کے بڑے محدث حافظ ابو حفص عمر بن احمد المعروف با بن شاہین
بغدادی نے لکھا ہے:
عطیۃ العوفی لیس بہ بأس، یہ ثقہ ہے اس سے حدیث اخذ کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔
(تاریخ اسماء الثقات صفحہ ۱۷۲، رقم ۱۰۲۳ طبع الدار السّلفیہ کویت)۔
34۔ملاحظہ فرمائیے: مجمع الزوائد للہیثمی ج۹ صفحہ ۱۰۹ طبع بیروت، تہذیب التہذیب ج۷ صفحہ ۲۲۵، تاریخ یحی ابن معین ج۲ صفحہ ۴۰۶ طبع حلب
35۔مسند ابن الجعد صفحہ ۳۰۲۔ روایت نمبر ۲۰۴۸ طبع دار الکتب العلمیہ۔ بیروت
36۔اگر جس راوی کے بارے میں ''لا بأس بہ'' کہا جائے تو وہ ثقہ ہوتا ہے۔اس مطلب کو مزید دیکھنے کے لیے ملاحظہ فرمائیں! تقریب النواوی مع شرحہ نوع ۲۳ صفحہ ۲۳۱ طبع مدینہ منورہ، تذنیب لتقعیب التقریب صفحہ ۴۰ از مولانا امیر علی حنفی ملیح آبادی طبع ناول کشور۔
37۔طبقات ابن سعد ج۶ صفحہ ۲۱۳ طبع لیدن ۱۳۲۱ھ
38۔کشف الاستار صفحہ ۷۵ طبع دیوبند
39۔التعلیقات علیٰ سنن ترمذی ج۲ صفحہ ۳۴۲ باب ماجاء فی صلاۃ الضحی طبع قاہرہ
40۔ریاض المرتاض صفحہ ۲۱۱ طبع بھوپال، اکلیل الکرامۃ فی تبیان مقاصد الامامۃ ص۲۱۹ مطبع صدیقی ۱۲۹۴ھ
41۔شرح ابن ابی الحدید جلد ۱۶ صفحہ ۲۱۰ طبع مصر
42۔الفاروق صفحہ ۷
43۔ملاحظہ فرمائیں: احتجاج طبرسی صفحہ ۶۱ تا صفحہ ۶۵ مطبوعہ المطبعۃ المرتضویہ نجف اشرف ۱۹۳۲ء
44۔ملاحظہ ہو: شرح نہج البلاغہ لابن میثم بحرانی جلد ۵ صفحہ ۱۰۵ طبع بیروت
45۔کذا فی مختصر الاصول بن حاجب نحوی صفحہ ۷۵ المطبعۃ السعادۃ بمصر سن اشاعت ۱۳۲۶ھ
46۔ازالۃ الخفا عن خلافۃ الخلفاء مقصد ۲ صفحہ ۲۹،۳۰ مطبوعہ صدیقی بریلی ۱۲۸۶ھ
47۔کذا فی کنز العمال ج۳ صفحہ ۱۳۴ طبع دکن، جمع الجوامع للسیوطی ج۱۵ صفحہ ۳۷۸ طبع بیروت
48۔نساء: ۱۱
49۔ملاحظہ ہو کتاب الصدیق یعنی حضرت ابو بکر صدیق کے حالات۔ صفحہ ۱۰۴۔۱۰۵ ضمیمہ باب پنجم قصہ فدک و جمع قرآن۔ مطبع روز بازار امرتسر طبع اول ۱۸۹۷ء